رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وراثت

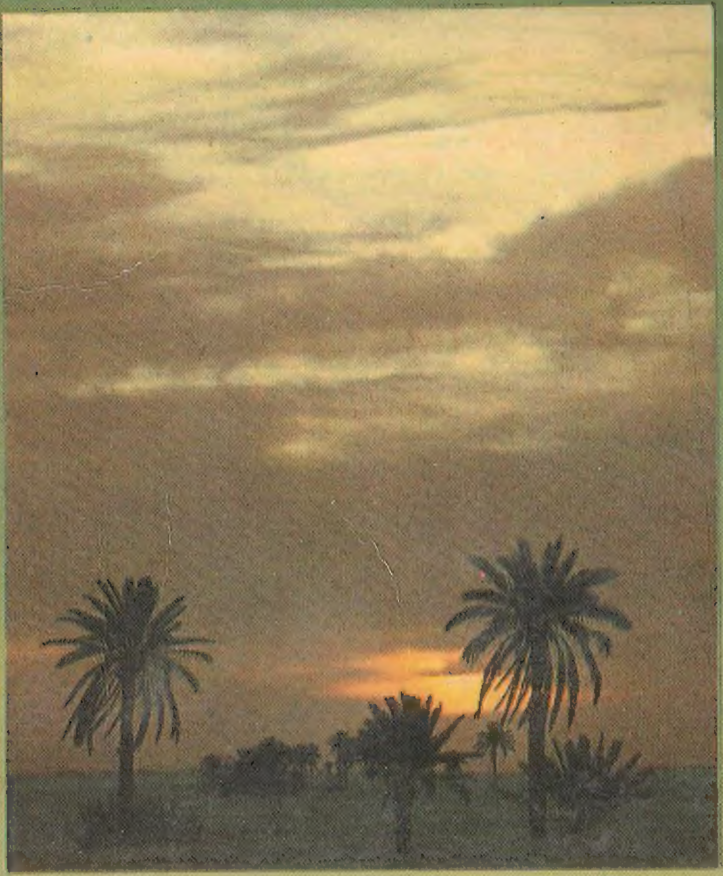

باغِ فدک

مولانا سیّد محمّد جعفر زیدی شہید

باغِ فدک

(ایک تحقیقی جائزہ)

مصنّف:

الحاج علاّمہ سیّد محمد جعفر زیدی شہید

ناشر:

امامیہ پبلی کیشنز
۳۵۔ حیدر روڈ، لاہور
فون: ۷۱۱۹۰۲۷

باغ فدک

علامہ سید محمد جعفر زیدی شہید

پبلیکیشنز

۸۵-۱ اے ٹیل روڈ۔ لاہور

لاہور

Fatima

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ الطاہرین.

بعض مغالطہ آمیز بیانات کی بناء پر احباب کا اصرار تھا کہ ہم تحریراً مسئلہ فدک کی صحیح تصویر پیش کریں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ راقم آثم شیعہ بھی ہے اور مذہبیات سے نا آشنا بھی نہیں، لیکن شیعہ نقطہ نظر سے کیا صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلاوجہ تنقیص و توہین کوئی امر خیر ہے؟ ہرگز نہیں! صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کسی حیوان بلکہ بے جان کو بھی اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے تو اس کو بھی محبت اور احترام کی نظر سے دیکھنا واجب و لازم ہے۔ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اگر کسی کو صرف اس لئے بغض و عداوت ہو کہ وہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے تو وہ نہ شیعہ ہے نہ مسلمان، بلکہ کافر اور بے دین ہے۔ لیکن سوائے ذات احدیت کے ہر شئے کی ایک حد ہے اور دینداری یہی ہے کہ نہ کسی چیز کو اس کے مقام سے بڑھاؤ اور نہ اس کی حد سے گراؤ۔

غیر معصوم کو معصوم کا ہم پلہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہر معصوم کو سید الانبیاء والمعصومین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کا ہم سر نہیں مانا جا سکتا۔

جہاں نزاعی قضیہ کا ہر فریق، صحابیت رسول ﷺ کا شرف رکھتا ہو اور ایک دوسرے سے متصادم ہو، وہاں صحیح دینداری معلوم کرنے کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ مسئلہ کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھ کر معین کیا جائے کہ صحابہ رسول ﷺ تو دونوں طرف ہیں، لیکن ان میں سے اس وقت اس مسئلہ میں صحیح راہ پر گامزن کون ہے اور غلط راستہ پر کون؟ اس تنقید کو تنقیص صحابہ کا نام دینا غلط ہو گا کیونکہ یہاں صحابہ کا تقابل غیر صحابہ سے نہیں بلکہ دونوں فریق صحابہ رسول ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے سامنے اس قسم کے کئی واقعات آتے ہیں۔ سرد جنگوں کی اور پہلی کش مکش کی صورتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو کھلی ہوئی صحابہ کی باہمی جنگیں اور آپس کی آویزشیں ہم کو آزمائش میں ڈالتی ہیں۔

جنگ جمل ہوئی تو اس کا بھی ہر فریق صحابی، جنگ صفین ہوئی تو اس کا بھی ہر فریق صحابی، منبروں پر، خطبوں میں، علی علیہ السلام پر سب و شتم ہوتی رہی تو یہ کس طرف سے ہوتی رہی .... اور کس پر ہوتی رہی؟ یہ بھی صحابی کی طرف سے ہوئی اور صحابی پر ہوئی۔ اسی قسم کے واقعات میں سے فدک کا قضیہ ہے، جس میں ایک طرف حضرت ابوبکر و عمر جیسے صحابی دوسری طرف صحابیہ رسول فاطمہ زہرا علیہا السلام جو محض صحابیہ ہی نہیں بلکہ روح رسول ﷺ، بضعتہ رسول ﷺ اور بنت رسول ﷺ۔

ہم نے اس قضیہ کی اختصار کے ساتھ ضروری تفصیل تو بیان کی مگر اس احتیاط سے کہ کسی کے لئے بار خاطر نہ ہو۔ واقعات و بیانات جس قدر بھی اس کتابچہ میں تحریر کئے گئے، ان کا ماخذ بھی کسی شیعہ کتاب کو نہیں قرار دیا گیا بلکہ تمام تر واقعات و بیانات حضرات اہل سنت کی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔

میں اس کتاب کے ناظرین سے درخواست کروں گا کہ وہ اس قضیہ کو شیعہ، سنی قضیہ سمجھ کر نہ دیکھیں اور شیعہ سنی ہار جیت کا تصور نہ کریں، کیونکہ شیعہ سنی اس مقدمہ کے فریقین نہیں ہیں۔ اس مقدمہ کے اصل فریقین ہیں، ایک طرف فاطمہ بنت رسول ﷺ اور ان کے ساتھ ہیں علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ دوسری طرف ہیں حضرت ابوبکر اور ان کے ساتھ ہیں حضرت عمر۔ ظاہر ہے کہ رسول ﷺ کی صحابیت ان میں سے ہر ایک کے لئے ہے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو صحابی رسول ﷺ نہ ہو۔ لیکن مذہبی قیود سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے اور صحابیت ہی کو پیش نظر رکھا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہ ہو گا کہ ہر فریق کی صحابیت کا درجہ یکساں نہیں ہے! فاطمہ علیہا السلام اور علی علیہ السلام کی صحابیت وہ مستقل صحابیت ہے کہ ان دونوں نے آنکھ کھولی تو رسول ﷺ کی گود میں، پلے تو رسول ﷺ کی آغوش میں، بڑھے تو رسول ﷺ کے سایہ میں۔ اٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، تنگی اور فراخی، فاقہ اور سیری، غرض کہ ان کی پوری زندگی دفن رسول ﷺ تک رسول ﷺ کے ساتھ گذری۔ یہ تو تھی ان کی صحابیت، جس میں یہ کسی سے کم نہیں اور کوئی ان سے بیش نہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں کا ایک وہ شرف ہے، جس میں یہ ایسے منفرد ہیں کہ عام صحابہ میں سے کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں۔ یہ دونوں صحابیت کے نقطۂ آخر پر فائز ہونے کے علاوہ اہلبیت بھی ہیں۔ یہ شرف ان کی فضیلت کا ایک مستقل باب ہے، جس کی وجہ سے نبی ﷺ کی چادر تطہیر میں ان کے سوا کوئی نہیں۔ مباہلہ نصاریٰ میں ان کے سوا نبی ﷺ کے ساتھ کوئی نہیں۔ درود میں نبی ﷺ کے ساتھ ان کے سوا کوئی نہیں۔ صدقہ کے حرام ہونے میں رسول ﷺ کے ساتھ ان کے سوا کوئی نہیں (وغیر ذالک)

بالکل غلط ہے یہ خیال کرنا بھی کہ شیعہ صحابہ رسول ﷺ سے عقیدت نہیں رکھتے۔ شیعہ اپنے آپ کو رسول ﷺ کے ہر مخلص صحابی کے پاؤں کی خاک سمجھتے ہیں اور ان کی راہ میں آنکھیں بچھانے کے لئے تیار ہیں۔ کیوں؟ اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے ان سے ہمیں عقیدت ہے، تو رسول ﷺ کی خاطر اور اگر کبھی کسی سے شکایت ہے تو رسول کی خاطر۔ یہ ہے شیعہ نقطہ نظر۔

بسمہ سبحانہ و تعالیٰ

ہماری نظر سے ایک کتابچہ گذرا جس کا نام "ازالہ الشک عن مسئلہ فدک" رکھا گیا ہے۔ یہ کتابچہ محترم علامہ عبدالستار صاحب نے جو سنی العقیدہ ہیں، تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں فاضل محترم نے مسئلہ فدک کو بیک جنبش قلم طے فرمایا۔ اس لحاظ سے کہ ان کے اعلام اور علماء کرام نے لاکھ زور لگائے لیکن وہ اس مسئلہ کو اپنی ایک خاص مجبوری سے، جس کا ذکر ہم کسی اور جگہ کریں گے کسی طرح حل نہ کر سکے اور یہی کہتے رہے کہ یہ قضیہ اہم ترین قضیہ ہے۔ گویم مشکل ونگویم مشکل۔ لیکن فاضل محترم کا بڑی آسانی سے اس قضیہ کو طے کر دینا، یہ ان کا ایک بڑا زبردست کارنامہ کہا جا سکتا ہے، "جو اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کا مصداق ہے۔ واقعاً انسان جب اپنے مذہبی خزانوں سے روگرداں ہو جائے اور اپنی کتب مسلمہ کو پس پشت ڈال دے اور ایجاد بندہ پر اتر آئے تو اس کے لئے کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔ ہماری عادت نہیں ہے ہم بلاوجہ خصوصاً اس زمانہ میں، جب کہ قومی، ملی اور ملکی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، تفرقہ انداز اور شر انگیز مباحث کو چھیڑ کر اپنی طرف سے ابتداء کریں۔ لیکن بیٹھے بٹھائے اگر کوئی ازخود حملہ کرے تو ملکی اور دینی دفاع ضروری ہو جاتا ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز کسی فرصت میں تفصیلی امور پیش کریں گے۔ سردست چند چیزیں سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ اس رسالہ مذکورہ کا نام (ازالہ الشک عن مسئلہ فدک) یہ بتاتا ہے کہ مصنف محترم مسئلہ فدک سے شک کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ فدک میں کسی کو شک ہے۔ کیونکہ اگر شک کا وجود نہیں تو اس کا ازالہ کیسا؟ اب

سوال یہ ہے کہ شک ہے کس کو؟ مسلمانوں کے دو ہی ابتدائی فرقے ہیں، شیعہ اور سنی۔ تو شک شیعہ فرقہ کو ہے یا سنی کو؟ شیعہ کے بچہ بچہ سے تصدیق کر لیجیئے کہ ان کو اس مسئلہ میں کوئی شک نہیں۔ اور ایک اسی مسئلہ پر کیا منحصر ہے ان کو دینی اور مذہبی کسی بھی مسئلہ میں شک نہیں۔ ان کے یہاں تو یقین ہی یقین ہے۔ وہ شک پر یقین نہیں رکھتے۔ انہوں نے خدائے برتر کو مانا تو وحدانیت میں کبھی شک نہ کیا۔ نبی ﷺ کی نبوت کو مانا تو کبھی نبوت میں شک نہ کیا۔ اہلبیت کی عصمت کو مانا تو کبھی ان کی عصمت و طہارت، ولایت و امامت میں شک نہ کیا۔ جس کا اقرار کیا، مستقل اقرار کیا، جس کا انکار کیا، مستقل انکار کیا۔ ان کے نزدیک دین کا ہر پہلو یقینی ہے۔ ان کے یہاں دو رنگی، دورخی، دو عملی مطلقاً نہیں۔ وہ بالکل یکسو ہیں۔ یہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ دو مختلف گروہ متحارب ہوں اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کر رہے ہوں اور شیعہ دونوں کی حمایت کر رہے ہوں اور دونوں کا ساتھ دے رہے ہوں اور کہتے ہوں کہ یہ بھی حق پر ہے اور وہ بھی حق پر ہے۔ یہ بھی اچھا ہے اور وہ بھی اچھا ہے۔ نہیں ان کا فیصلہ ہے اور یقینی فیصلہ ہے کہ ایک حق پر ہے دوسرا باطل پر، ایک صحیح ہے دوسرا غلط۔ لہذا تمام مسائل کی طرح مسئلہ فدک کے بھی تمام پہلو شیعہ کے نزدیک بالکل یقینی اور قطعی ہیں۔ وہاں شک کا گذر نہیں اور اگر شک ہے تو پھر وہ شیعہ نہیں۔

فاضل مصنف جس شک کا ازالہ کر رہے ہیں وہ انکے ہی مسلک سے وابستہ ہو سکتا ہے۔ ایسے شکوک کی ابتداء ان کے یہاں آج سے نہیں بلکہ بہت عرصہ پہلے سے ہو چکی ہے۔ جس کا ذکر خود ان کی مایہ ناز اور معتبر کتب میں موجود ہے۔ تفسیر درمنثور علامہ جلال الدین سیوطی اور تاریخ الخمیس کی یہ

عبارت بطور مثال پیش کی جاتی ہے جس کو صاحب تاریخ احمدی نے بیان فرمایا ہے۔

روی عن عمر انه قال واللّٰه ما شككت منذ اسلمت الا يومئذ فاتيت النبي فقلت الست نبي اللّٰه حقاً..... الخ

جب سے اسلام لایا ہوں مجھے آج کے دن کے سوا کبھی (نبوت) میں شک نہیں ہوا میں نبی کے پاس آیا اور میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نبی برحق نہیں؟ الخ۔

پھر تاریخ مذکورہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

قال عمر رضی اللّٰه عنه لقد دخلني امر عظيم وراجعت النبي مراجعة ماراجعته مثلها قط.

یعنی حضرت عمر نے فرمایا (صلح حدیبیہ میں) میرے دل میں خطرۂ عظیم گذرا اور میں نے نبی سے سخت ردوبدل اور لوٹ پلٹ کی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی لوٹ پلٹ نہ کی تھی۔

بہر حال نبوت ہو یا دینی مسائل ہوں ان میں شکوک و شبہات کی ابتداء (ان کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے) کہ بہت پہلے سے ہو چکی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ مومن وہ ہے جو ایمان لانے کے بعد کبھی شک نہیں کرتا۔

ثم لم يرتابوا.

مژدہ نجات ان ہی مومنین کے لئے قرآن کریم سناتا ہے، جو راہ ایمان پر ہمیشہ مستقیم اور ثابت قدم رہیں۔

ثم استقاموا.

علامہ محترم عبدالستار صاحب کو اگر اپنی قوم کے شکوک و شبہات کا ازالہ مقصود ہے تو یہ ایک نیک قدم ہے اور بہت اچھا مقصد ہے۔ لیکن ازالۂ شک کا جو عنوان اور طریقہ ہونا چاہیے تھا وہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ بلکہ طریقہ ایسا اختیار کیا ہے جس سے شکوک کا ازالہ تو در کنار الٹا شکوک کا طومار اور شبہات کا انبار لگ گیا۔ کاش کہ وہ آسان طریقہ سے ازالہ شک کا وہ صاف اور صریح طریقہ اختیار کرتے جو علامہ تفتازانی نے اپنی کتاب شرح مقاصد میں اختیار کیا ہے۔

نبی کا ہر صحابی معصوم نہیں:

علامہ تفتازانی ایک بلند پایہ عالم جلیل اہل سنت ہیں شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ان ماوقع بین الصحابة رضوان الله علیهم من المحاربات والمشاجرات علی الوجه المسطور فی کتب التواریخ و المذکور علی السنة الثقات یدل بظاهره علی ان بعضهم قد جاز عن طریق الحق و بلغ حدالظلم والفسق وکان الباعث له الحقد والعناد والحسد واللدوطلب الملک والریاسة والمیل ان الذات والشهرات اذلیس کل صحابی معصوماً وکل من لقی النبی بالخیر موسوماً ..... الخ

یعنی وہ لڑائیاں اور جھگڑے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان پیش آئے، جو کتب تواریخ میں مذکور اور ثقہ حضرات کی زبانوں پر مشہور ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے بعض لوگ راہ حق سے ہٹ گئے تھے اور ظلم و

فسق کی حد میں پہنچ گئے تھے۔ جس کا باعث یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے سے کینہ اور دشمنی رکھتے تھے۔ باہم حسد تھا، مخاصمت تھی، حکومت اور اقتدار کی طمع تھی، دنیا کی لذتوں اور خواہشوں پر جھک گئے تھے۔ لیکن کیوں؟ اس لئے کہ ہر صحابی معصوم نہیں اور ہر وہ شخص جس کو لقاء نبی نصیب ہوا؟ یہ ضروری نہیں کہ اس کو ہمیشہ کے لئے نیکی کا نشان مل گیا۔ علامہ تفتازانی کی بات کس قدر مختصر اور کس قدر جامع اور مطابق قرآن ہے۔ یعنی تمام صحابہ معصوم نہ تھے۔ وہ ہمیشہ نیک رہیں گے اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ وہ سب کے سب یکساں نہیں۔ ان میں بہتر سے بہتر بھی ہیں اور اس کے برعکس بھی ہیں۔ ان کے لئے یہ تغیر بھی ممکن ہے کہ آج اچھے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بات میں اچھے ہوں کسی بات میں اچھے نہ ہوں۔ لیجیئے فدک کا قصہ طے ہو گیا۔ سیدھی بات ہے کہ صحابہ جن کا تعلق اس قضیہ سے اور اس قضیہ کے فیصلے سے ہے وہ معصوم فرشتے نہ تھے۔ قدرت نے ان کی تطہیر کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ جیسا کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام اور ان کے شوہر اور دونوں فرزند حسن و حسین علیہم السلام، بالاتفاق آیہ تطہیر کے مخاطب اور موصوف ہیں۔

بعض صحابہ ممدوح قرآن ہیں اور بعض نہیں:

قرآن کریم میں کہے جانے والے صحابہ کے لئے آیات مدح بھی ہیں اور آیات مذمت بھی۔ یہ تو کوئی ایمان و انصاف نہ ہوگا کہ ہم صرف آیات مدح کو دیکھیں اور آیات مذمت کو نظر انداز کر دیں۔

أفتؤ منون ببعض الكتاب و تكفرون ببعض. (قرآن کریم)

یعنی کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور دوسرے حصہ کے منکر ہو۔

ازروئے قرآن، صحابہ میں سے کچھ طالب دنیا تھے اور کچھ طالب آخرت:

جو بات علامہ تفتازانی نے بیان فرمائی ہے وہ اصل میں خود ان کی بات نہیں بلکہ قرآنی بات ہے۔ قرآن کریم کی فیصلہ کن آیت ہے جو واقعہ جنگ احد سے متعلق ہے۔ صحابہ کے متعلق ارشاد الہی ہے۔

منکم من یرید الدنیا و منکم من یریدالاخرۃ.

یعنی تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو طالب دنیا رہتے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو آخرت کے طلبگار رہتے ہیں۔ نہ سب کے سب طالب دنیا ہیں اور نہ سب کے سب طالب آخرت۔ ان ہی صحابہ میں وہ بھی ہیں جن کا قدم راہ وفا سے کبھی نہ ہٹا جنہوں نے کسی غزوہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو کفار میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہ کی بلکہ ہر جگہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ثابت قدم رہے۔ دوسری طرف وہ بھی ہیں جو نہ جنگ احد میں ثابت قدم رہے نہ جنگ حنین میں۔ چنانچہ ان دونوں جنگوں کے متعلق قرآن کریم نے نافرمانی کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔ جنگ احد کے متعلق ارشاد الہی ہے:

حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر و عصیتم من بعد ما ارکم ما تحبون، منکم من یریدالدنیا و منکم من یریدالاخرۃ. (۳:۱۵۲)

یہاں تک کہ جب تم نے ہمت ہار دی اور نبوی حکم کے بارہ میں مخالفت کی

اور عین اس وقت تم نے نافرمانی کی جب کہ اللہ تم کو تمہاری پسندیدہ چیز (فتح) دکھا چکا تھا۔ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار رہتے ہیں اور کچھ لوگ آخرت کے طلبگار رہتے ہیں۔

اذ تصعدون ولا تلؤن علی احد و الرسول یدعوکم فی اخرکم. (۵۳:۳)

جب کہ تم اوپر (پہاڑ پر) چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے حالانکہ تمہارے پیچھے سے رسول تم کو پکار رہے تھے۔

پھر چند آیات کے بعد فرمایا جاتا ہے:

ان الذین تولومنکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلھم الشیطان ببعض ماکسبوا. (۱۵۵:۳)

یعنی تم میں سے جو لوگ جنگ احد سے بھاگ گئے تھے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کو شیطان نے ان کے ماضی کے کچھ اعمال کی وجہ سے نیک راستہ سے ہٹا دیا تھا۔

اس لئے ظاہر ہو رہا ہے کہ خامیاں پہلے سے موجود تھیں۔

عفو کے معنی ہیں چشم پوشی اور در گزر:

یہ ضرور ہے کہ خداوند عالم نے ان بھاگ جانے والوں سے در گزر کیا اور عفو کیا۔ یعنی بروقت کوئی سزا نہ دی بلکہ چشم پوشی فرمائی۔ لیکن یہ تو کریم کا کرم اور حلیم کا حلم ہے۔ اس سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لوگ مجرم نہ تھے یا یہ کہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور وفا کے تقاضوں کو پورا کیا۔ بصیرت سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ کیسا عظیم نکتہ ہے کہ زندگی کے لیل و نہار میں ان

حضرات کے غیر معصوم ہونے کی بناء پر جو عام لغزشیں ہو جاتی تھیں ان کے لئے تو عفوو درگزر کی آیات نہیں آتی تھیں تو پھر صرف اسی جرم کے لئے کیوں بار بار عفوو درگزر کی خبر دی گئی۔ یہ تخصیص صرف اسی وجہ سے تو ہے کہ یہ جرم معمولی نہیں بلکہ نہایت سنگین تھا۔ جرم کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں فرمایا۔

جنگ احد میں صحابہ کا طرز عمل اور علیؑ کی ثابت قدمی:

درروز احد از گروہ مخالف چناں پیکار شدید واقع شد کہ مسلمانان رو بہزیمت آورند۔ حضرت رسول را تنہا گزاشتند۔ حضرت در غضب آمدو عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔ در آں حالت نظر کرد علی بن ابی طالب را کہ بر پہلوئے مبارکش ایستادہ است۔ فرمود کہ تو چرا بہ برادران خود ملحق نہ گشتی یعنی فرار نہ کردی۔ علی گفت۔

آکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ

یعنی آیا کافر شوم بعد از ایمان بہ تحقیق کہ مرا بہ تو اقتداء است بایاران مفرور چہ سروکار باشد۔ دراین اثناء جمع از کفار متوجہ آنحضرت صلعم شدند آنحضرت فرمود اے علی مراازیں مجمع نگاہ دارد۔ حق خدمت بجاآ۔ کہ وقت نصرت است۔ پس علی متوجہ آں قوم شد چناں قلع قمع نمود کہ جمع کثیر بہ دوزخ رفتند باقی ماندگان متفرق گشتند۔ می گویند کہ در آں روز شانزدہ زخمہا بر تن مبارک جناب امیر رسیدند ازاں جملہ چہار زخم بسیار کاری بودند کہ بوقت رسیدن ہر زخم جناب امیر از فرش زیں بزمین آمدند و ہر چہار بار جبریل امین علیہ السلام دے را برداشت و سوار می کرد۔ و می گفت اے علی جنگ کن کہ خدا و رسول خدا

از تو خوشنود ہستند و چوں این حال جاں فشانی علی مرتضیٰ جبریل امین بحضور ختم المرسلین رسانید۔ آنحضرت فرمود کہ علی چرا جاں فشانی نہ نماید کہ وے از من ست و من از وے جبریل گفت و من از شما و علی ہر دو ہستم و منقول ست کہ در ہمیں جنگ رضواں بہ منقبت علی مرتضیٰ می خواند۔

و لا سیف الا ذوالفقار

و لا فتی الا علی۔ الکرار۔

(مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق دہلوی از تاریخ احمدی)

یعنی جنگ احد میں لشکر کفار نے اتنی سخت کارزار کی کہ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے اور حضرت رسول ﷺ کو تنہا چھوڑ گئے حضرت اس پر غضبناک ہوئے۔ ایسے کہ ان کی مبارک پیشانی سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسی حالت میں سرکار نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف نظر فرمائی جو نبی ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہوئے تھے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ علی علیہ السلام تم اپنے بھائیوں سے کیوں نہ ملحق ہوئے، یعنی تم نے کیوں نہ فرار کیا۔ علی علیہ السلام نے جواب دیا! کیا میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا۔ میں تو آپ کا فرمانبردار ہوں۔ مجھے بھاگنے والوں سے کیا واسطہ۔ اسی اثنا میں کفار کا ایک گروہ آں حضرت کی طرف بڑھا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا۔ اے علی علیہ السلام اس گروہ مخالف سے میری حفاظت کرو اور میری خدمت کا حق بجا لاؤ کہ یہ نصرت کا وقت ہے۔ پس علی علیہ السلام نے اس مقام پر ایسا سخت حملہ کیا اور ان کا ایسا قلع قمع کیا کہ بہت سے ان میں سے دوزخ پہنچ گئے اور باقی ماندہ لوگ متفرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس روز حضرت امیر علیہ السلام (علی) کے جسم پر سولہ زخم آئے تھے۔ جن میں چار زخم اتنے شدید تھے کہ ان کے پہنچنے کے وقت جناب امیر علیہ السلام ہر مرتبہ زمین سے

زمین پر گر جاتے تھے اور ہر مرتبہ جبریل امین ان کو اٹھا کر سوار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے علی علیہ السلام جنگ کیجئے جبکہ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے خوشنود ہیں۔ جب جبریل امین نے علی علیہ السلام کی ایسی جان فشانی دیکھی تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جان فشانی کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا علی علیہ السلام کیوں نہ ایسی جان فشانی کرے کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ جبریل نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام دونوں سے ہوں۔

جنگ احد میں رضوان جنت کا کلمہ تھا لافتیٰ الاعلی اسی جنگ میں نادعلیا کا نزول ہوا

منقول ہے کہ اسی جنگ میں (رضوان) (خازن جنت) علی علیہ السلام کی منقبت میں پڑھتے تھے کہ ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں اور حیدر کرار کے سوا کوئی بہادر نہیں (ترجمہ عبارت مدارج النبوۃ محدث دہلوی)

اس کے بعد محدث دہلوی نے جو مشہور ترین عالم اہل سنت ہیں، اسی جنگ احد میں نادعلیاً مظہر العجائب کا نازل ہونا بیان فرمایا ہے یعنی اے رسول علی علیہ السلام کو پکارو جن سے عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔

علی مرتضیٰ علیہ السلام کا جواب میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کرنا کہ میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا یہ ارشاد الہی کے کس قدر مطابق ہے۔ چنانچہ آیت قرآنی ہے:

انما المومنون الذین آمنو باللّٰہ و رسولہ و اذا کانومعہ علی امر جامع لم یذھبو حتی یستاذنوہ (۲۴:۶۲)

یعنی مومن صرف وہ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے اور جب کبھی کسی

معرکہ میں نبی کے ساتھ ہوئے تو بغیر اجازت کے کبھی وہاں سے نہ ہٹے۔

شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کے بیان مذکور سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ شہداء احد کی شہادت کے بعد اور مسلمانوں کے رسول ﷺ کے پاس سے چلے جانے کے بعد سرکار ﷺ ایسے تنہا رہ گئے تھے کہ بالآخر آپ کے پاس علی علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں رہا تھا۔ اب نام بنام یہ معلوم کرنے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی کہ وہ بھاگ گیا تھا یا نہیں۔ بعض علماء اہل سنت نے بعض ناموں کی تصریح بھی کی ہے۔ چنانچہ شیخ الحافظ الامام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری جن کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی ہے، جن کے بارہ میں کتاب کشف الظنون اور کتاب وفیات الاعیان میں ان کے تعارف کے لیے کہا ہے کہ وہ الامام ابو عبداللہ الحافظ امام اہل حدیث تھے اور وہ عالم معارف اور واسع العلم تھے اور یہ کہ انہوں نے حدیث میں وہ کتابیں تالیف کی ہیں کہ پہلے ایسی کتابیں نہ تھیں۔

جنگ احد سے چلے جانے والوں میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ جراح سب سے پہلے واپس آکر رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے

امام مذکور نے اپنی کتاب مستدرک حاکم میں، شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب قرۃ العینین میں فرمایا ہے:

عن عائشة قالت قال ابوبکر من الصديق لما جال الناس عن رسول الله يوم احد كنت اول من فاء اليه فبصرت به من بعيد فاذا انابرجل اعتنقني من خلقي

یرید رسول اللہ فاذا ھوا ابو عبیدۃ الجراح۔

مستدرک حاکم اور قرۃ العینین کی یہ عبارت تاریخ احمدی میں موجود ہے۔

ترجمہ یہ ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ان سے حضرت ابوبکر نے فرمایا:

کہ جب بروز جنگ احد لوگ رسول ﷺ کو چھوڑ کر متفرق ہو گئے تو ان میں سے میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور میری نگاہ دور سے آنحضرت ﷺ پر پڑی پھر ایک شخص نے پیچھے سے آ کر مجھے دبایا۔ جو پیغمبر ﷺ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا تھا میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ (یک نہ شد دو شد) حضرت ابوعبیدہ بن جراح سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے ساعی اور بانی تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی عشرہ مبشرہ بالجنہ میں سے ایک ہیں۔

حضرت عمر میدان جنگ احد سے ہٹ کر صرف پہاڑ پر چڑھ کر ٹھہر گئے تھے کہیں دور نہیں گئے تھے۔ لیکن حضرت عثمان دور چلے گئے تھے اور تین روز بعد واپس آئے۔

پھر تاریخ احمدی نے تفسیر درمنشور علامہ جلال الدین سیوطی اور تفسیر جریر طبری سے یہ عبارت نقل کی ہے:

قال عمر رضی اللہ عنہ لما کان یوم احد فضررت حتی صعلت الجبل فلقدر أیتنی المارسی۔

یعنی حضرت عمر نے فرمایا کہ جب جنگ احد میں کافروں نے مسلمانوں کو شکست دی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور اس وقت میری حالت یہ تھی

کہ جیسے پہاڑی بکرا۔

اس کے علاوہ تاریخ احمدی نے تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی سے نقل کیا ہے:

ومن المنهزمين عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه اكله نه لم يكن فی اوايل المنهم من ولم يبعد بلی ثبكث على الجبل و منهم ايضاً عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انهم مع رجلين يقال لهما سعد و عقبة انهزموابعيداً ثم رجعوا بعد ثلثة ايام.

یعنی گریز کرنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے مگر یہ کہ وہ ابتداء میں نہیں بھاگے تھے اور دور نہیں گئے تھے۔ بلکہ میدان جنگ سے ہٹ کر پہاڑی پر رکے رہے۔ نیز گریز کرنے والوں میں حضرت عثمان بھی تھے۔ جو سعد اور عقبہ کے ساتھ دور تک چلے گئے تھے اور تین دن کے بعد واپس آئے۔

تفسیر کبیر کا مرتبہ تفاسیر میں اور اس تفسیر کے مفسر کا مرتبہ علماء و مفسرین میں حضرات اہل سنت کے یہاں ایسا بلند اور عظیم ہے کہ اس تفسیر اور مفسر کی کوئی مثال نہیں ہے۔

پھر علامہ ابن اثیر جزری کی تاریخ کامل سے تاریخ احمدی نے یہ عبارت نقل کی ہے:

و انتهت الحريمة بجماعته من المسلمين فيهم عثمان بن عفان و غيره الى الاعوض فاقاموابه ثلاثا ثم اتوالنبی صلعم فقال لهم جان راهم لقد ذهيتم و فيهايفة.

یعنی ہزیمت یافتہ مسلمانوں نے جن میں حضرت عثمان بن عفان بھی تھے موضع اعوض میں جا کر قیام کیا اور وہاں سے تین دن کے بعد رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں واپس آئے جن کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ بہت ہی دور چلے گئے تھے۔

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب مدارج النبوۃ میں تاریخ مذکور سے یہ عبارت تحریر کی ہے۔

"اصحاب درآں حین برچہارقسم شدند جمعیے جنگ کردند یا شہید شدند، گروہے گر بختندو درزاویا و شعاب جبل مخفی گشتند و بعضی بہ شہر رفتند وقرار گرفتند و عثمان بن عفان از انجملہ بود"

اصحاب رسول اس وقت (جنگ احد میں) چار قسم پر ہو گئے۔ ایک نے تو جنگ کی، دوسرے وہ لوگ جو شہید ہو گئے۔ تیسرا وہ گروہ تھا جو بھاگ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گیا۔ چوتھا گروہ شہر پہنچ گیا اور وہیں ٹھہرا رہا اور عثمان بن عفان اسی چوتھے گروہ میں سے تھے۔

معرکہ خیبر میں بالآخر علم لشکر سرکار ﷺ نے خود علی علیہ السلام کو دیا لیکن اس سے پہلے دوسرے حضرات کو خود سرکار ﷺ کا علم دینا ثابت نہیں

حضرت عثمان کا جنگ اُحد سے چلا جانا اور تین دن کے بعد واپس آنا حقیر نے خود تاریخ ابن خلدون میں پڑھا ہے۔ یہ تو تھی جنگ اُحد کی کیفیت۔ اس کے بعد غزوہ خیبر، غزوہ خندق اور غزوہ حنین مشہور ترین غزوات ہیں۔

غزوہ خیبر میں خلیفہ اول و خلیفہ ثانی ہر دو حضرات علم لشکر لے گئے تھے اور یہ مسلم ہے کہ دونوں حضرات فتح نہ کر سکے اور بے نیل و مرام واپس آئے۔ آخر کار سرکار ﷺ نے علی مرتضیٰ علیہ السلام کو طلب فرمایا جو اس وقت تک آشوب چشم کی شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ سرکار ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور اس سے ان کے صحت یاب ہونے پر علم دے کر بھیجا تو یہ مہم سر ہوئی۔ سرکار ﷺ نے علی مرتضیٰ علیہ السلام کو علم دیئے جانے کا ذکر ایک روز پہلے فرما دیا تھا۔ لیکن اس ذکر میں علی علیہ السلام کا نام نہیں لیا تھا بلکہ علم پانے والے کے صفات و علامات بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

لا عطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرارٍ یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ یرجع حتی یفتح اللّٰہ علی ایدیہ.

یعنی کل میں رایت (سب سے بڑا علم) ضرور ضرور دوں گا ایک مرد کو جو کرار، غیر فرار ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ فتح کئے بغیر واپس نہ آئے گا۔

صاحب صحیح بخاری نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے لفظ کرار اور غیر فرار نہیں بیان کیا۔ لیکن علی مرتضیٰ علیہ السلام کا کرار اور غیر فرار ہونا اظہر من الشمس ہے۔

جنگ خندق میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کا شکار

جنگ خندق، جس کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں، کفار کا نامور بہادر پہلوان عمرو بن عبدود، جو ہزار آدمیوں کا تنہا مقابلہ کرنے والا اور بچہ شتر کو

اٹھا کر اس سے ڈھال کا کام لینے والا تھا، اس نے خندق پر ایسی جست کی کہ خندق پار کر کے مسلمانوں کے سروں پر آ دھمکا اور مبارز طلب ہوا۔ لیکن حضرت علی مرتضی علیہ السلام کے سوا کوئی بھی اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر اسی مرد میدان نے آکر اس کو قتل کیا۔

جنگ حنین کے بارہ میں قرآنی بیان

غزوہ حنین کا تذکرہ خود حنین کا نام لے کر قرآن کریم نے کیا ہے:

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ذاقت علیکم الارض بما رجبت ثم ولیتم مدبرین. (۹:۲۵)

یعنی جنگ حنین میں جب کہ تم کو (مسلمانوں کو) اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

صحیح بخاری سے تاریخ احمدی نے نقل کیا ہے:

عن ابی قتاوۃ قال انھزم المسلمون وانھرمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ماشان الناس قال امراللہ ثم تراجع الناس الی رسول اللہ.

ابو قتادہ صحابی بیان فرماتے ہیں کہ حنین میں مسلمان پسپا ہو کر بھاگے تو ان میں ایک میں بھی تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ہم لوگوں میں حضرت عمر بن خطاب بھی ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ حکم خدا (غالباً خیر و شر کا مسئلہ یہیں سے چلا) پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس آ گئے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے:

درغزوہ حنین چوں حزیمت بہ مسلمین روداد یے (علی) رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ از جماعت ثابتان بود.

یعنی غزوہ حنین میں مسلمان پسپا ہو کر بھاگے، تو حضرت علی علیہ السلام اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ بلکہ، وہ ان لوگوں میں سے تھے، جو ثابت قدم رہے۔

اب ہم کنز العمال کی عبارت لفظ بہ لفظ تاریخ مذکور سے نقل کرتے ہیں۔

جنگ حنین میں کون کون ثابت قدم رہے

اخرج ابن عساکر عن حسین بن علی قال کان ممن ثبت مع رسول اللّٰہ یوم حنین العباس و علی بن ابی طالب و ابو سفیان بن الحارث و عقیل بن ابی طالب و عبداللّٰہ بن الزبیر والزبیر بن العوام و اسامہ بن زید.

یعنی ابن عساکر نے حسین بن علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ روز حنین جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، وہ عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ابو سفیان بن حارث (رسول اللہ کے ابن عم) اور عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر اور زبیر بن عوام اور اسامہ بن زید ہیں۔

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں بیان فرماتے ہیں:

ولی روایۃ لما فرالناس یوم حنین عن البنی لم یبو معہ الا اربعۃ ثلاثۃ من نبی ہاشم و دجل من غیرھم. علی بن ابی طالب والعباس ابو سفیان بن الحارث و ابن

مسعود۔

یعنی ایک روایت میں آیا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جنگ حنین سے بھاگے تو سوائے چار آدمیوں کے کوئی باقی نہ رہا۔ تین تو بنی ہاشم سے تھے! ایک علی بن ابی طالب علیہ السلام دوسرے عباسؓ تیسرے ابو سفیان جو (حضرت عبد المطلب کے پوتے تھے) چوتھے ابن مسعود (غیر ہاشمی)

جنگ احد سے جو لوگ میدان جنگ سے ہٹ کر قریب یا دور چلے گئے ان کے لئے قرآن نے اگرچہ ان کے جرم کے بالکل بخشے جانے کا ذکر تو نہیں کیا کیونکہ لفظ مغفرت نہیں کہا گیا۔ تاہم ان کے لئے قرآن کریم نے لفظ عفو کا استعمال ضرور کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں درگذر اور چشم پوشی۔ لیکن جنگ حنین سے چلے جانے والوں کے لئے قرآن کریم میں لفظ عفو بھی ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

بہر حال اس طویل داستان کے بیان کرنے سے ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اسلاف اور بزرگان کی کوئی تنقیص کریں اور تنقیص بھی کریں تو کس بھروسہ پر۔ ہمیں خود اپنا حال معلوم نہیں کہ اگر ایسی کڑی آزمائشوں میں ہم مبتلا ہوئے ہوتے تو خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ پھر یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ راقم الحروف کا یا کسی شیعہ کا اپنا بیان تو نہیں ہے۔ یہ بیانات تو ان علماء متبحرین کے ہیں جو نام بردگان بزرگان کے انتہائی معتقدین میں سے ہیں اور مذہب اہل سنت کے ارکان و اعلام میں سے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جس طرح میرا مقصد بیان تنقیص اسلاف نہیں ہے، اسی طرح ان حضرات کا جا بجا اس قسم کا بیان ہرگز ہرگز تنقیص صحابہ کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصد بیان صرف یہی دکھانا ہے کہ یہ حضرات ہماری نظر میں سب کچھ

ہونے کے باوجود نہ تو نبی تھے نہ مرسل تھے، نہ ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے، نہ معصوم تھے، ان کی تمام ترقیاں بشری حدود میں تھیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی کہی ہوئی ہر بات درست ہو اور ان کا کیا ہوا ہر کام صحیح ہو۔

صحابہ کے بعض معتقدین نے بھی تاریخی حیثیت سے صحابہ کی بعض کمزوریوں کا ذکر کیا ہے

اگر کوئی بات دین کا جز ہو بھی تب بھی دینداری کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس بات کو اس کی جگہ سے نہ آگے بڑھائیں نہ پیچھے ہٹائیں۔ نبی کو امت سے برتر ماننا ہے مگر خالق سے کمتر ماننا ہے۔ اگر نبی کو امت کے برابر کر دیں تو کافر، اگر نبی کو خدا کے برابر کر دیں تو کافر۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرات علماء اہل سنت سے جو ملت کے اعلام ہیں، انہوں نے اپنی تصنیفات میں اور خود قرآن مجید نے اپنی آیات میں جو صحابہ کبار کی بعض کمزوریوں کا ذکر کیا ہے، وہ یہی بتانے کے لئے ہے کہ وہ مافوق الفطرت انسان نہ تھے۔ ان سے نیکی بدی، صحیح اور غلط ہر قسم کے کام کا امکان تھا۔ ان کو نبی کا یا معصوم کا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز کے امام ہونے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ جن حضرات محدثین و مفسرین و مؤرخین نے وہ سب کچھ لکھا ہے، جو ہم بیان کر چکے یا آئندہ بیان کریں گے وہ سب کے سب خلفاء ثلاثہ کی خلافت اور صحابیت کے ماننے والے تھے اور یہ سب کچھ لکھنے کے بعد بھی وہ سنی ہی رہے تو پھر کیا ضروری ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ان کی تائید اور

حمایت کرنے کے لئے ایک طرف قرآن کریم کی تردید کی جائے، دوسری طرف بنت رسول علیہا السلام کو جھٹلایا جائے، تیسری طرف خود رسول ﷺ پر اس کا الزام آنا گوارا کر لیا جائے کہ انہوں نے انبیاء کی میراث کا نہ ہونا دوسروں سے تو بیان کر دیا لیکن جو بیٹی وارث ہو سکتی تھی اس کے لئے کچھ بھی نہ فرمایا۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام کو شہر علم نے علم کا سرمایہ دے کر باب علم بنایا مگر جس مسئلہ کا علی علیہ السلام سے نہایت ہی قریبی واسطہ تھا وہ مسئلہ ان کو بھی نہ بتایا۔ چوتھی طرف صحاح ستہ جیسی کتب حدیث کو حرف غلط قرار دینا اور ان کے بیانات کو کالعدم قرار دینا یہ سب کچھ کس لئے؟ محض اس لئے کہ حضرات خلفاء پر کسی قسم کا کوئی الزام نہ آئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس مسئلہ فدک میں اگر آپ نے یہ مان بھی لیا کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی طلب غلط تھی اور حضرات شیخین کا فیصلہ صحیح تھا تو کیا اس سے ان حضرات کو عصمت و طہارت کا درجہ مل گیا اور وہ معصوم ثابت ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ ایک یہی مسئلہ تو نہیں جو ان کی عصمت کی راہ میں سدراہ ہو۔ وہ تو آپ کے اس مفروضہ کے بعد بھی غیر معصوم ہی رہے۔ پھر آپ کی ان تمام کوششوں کا فائدہ کیا ہوا؟ پھر لطف یہ ہے کہ یہ معاملہ محض یک طرفہ نہیں، جو محض صحابہ کی ذات ہی سے وابستہ ہو اور کوئی دوسرا فریق نہ ہو۔ جیسے کسی کی نماز خود اس کی اپنی نماز ہے۔ اس کا روزہ خود اسکا اپنا روزہ ہے۔ اپنے ذاتی عمل میں کوئی اجتہاد کرے اور اجتہاد سے کوئی بات طے کرے تو معاملہ اس کی ذات کا ہے۔ وہ جانے اور اس کی نماز، وہ جانے اور اس کا روزہ۔

حضرت عمر کے روزہ کھول لینے کے بعد بادل سے سورج نکل آیا

ہمیں یاد آتا ہے کہ علامہ شبلی نے الفاروق میں کسی جگہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر روزہ سے تھے، روزہ کھولنے کا وقت قریب تھا اور بادل چھائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے روزہ کھول لیا۔ اس کے بعد بادل چھٹے اور سورج نکل آیا تو حضرت عمر نے لوگوں سے فرمایا کہ

خطب یسیر قد اجتہدنا۔

یعنی یہ امر کوئی سنگین بات نہیں ہے۔ بلکہ معمولی سی بات ہے۔ ہم نے اجتہاد کیا تھا۔ ایسے امر میں اگر کوئی شخص صحابی مذکور کی حمایت کرے تو ایسی حمایت میں براہ راست کسی کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ لیکن فدک کے زیر بحث مسئلہ میں تو فریقین میں ایک طرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر دوسری طرف حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام۔ یہاں جس کی بھی آپ حمایت کریں گے دوسرے فریق کی مخالفت ضرور لازم آئے گی۔ قرآن کریم نے جنگ اُحد سے اور پھر ایک عرصہ دراز کے بعد جنگ حنین سے جن حضرات کے روگردان ہونے کا ذکر کیا ہے، جن کو آیت قرآنی نے

منکم یریدالدنیا

کہہ کر مستقل طالب دنیا قرار دیا ہے (کیونکہ آیت میں "أراد" بصیغہ ماضی نہیں ہے) آخر یہ حضرات صحابہ کے سوا کون تھے؟ ہمارے فاضل محترم جو رسالہ ازالہ الشک کے مؤلف نہیں بلکہ مصنف ہیں، ان کا وہ ابتدائی بیان جس پر انہوں نے ساری عمارت اٹھائی ہے۔ یعنی انہوں نے یہ دکھایا ہے کہ حق

حضرات کی قرآن کریم نے مدح کی ہے اور جو حضرات سابقین و اولین ہیں، ان سے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مسئلہ فدک کا کوئی غیر صحیح فیصلہ کریں گیا۔ وہ قرآن کریم سے یا جس معبود کا یہ کلام ہے اس سے بھی یہ کہیں گے کہ جن کو تو طالب دنیا کہہ رہا ہے اور جن کے بارہ میں تو یہ کہہ رہا ہے وہ ہر بار رسول ﷺ کو نرغۂ اعداء میں چھوڑ کر چلے گئے اور انہوں نے رسول ﷺ کے پکارتے رہنے پر واپس آنا تو درکنار پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ایسی باوفا اور پر خلوص ہستیوں سے یہ کیسے ممکن تھا؟ کیا قرآن اور اس کے نازل کرنے والے سے بھی آپ کہیں گے کہ ہم تیرے ان بیانات کو صحیح نہیں سمجھتے؟ اگر قرآن کریم کا یہ ہر ہر بیان حق و صدق ہے تو جن حضرات سے وہ کچھ ممکن ہے ان سے یہ بھی ممکن ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے یا نہیں کہ ایک فریق کی تو آپ کے نزدیک عظمت مراتب ان کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی ضمانت ہو۔ حالاں کہ وہ محض اصحاب ہیں، اہل بیت نہیں اور دوسری طرف فاطمہ زہرا علیہا السلام جو محض صحابیہ رسول ﷺ ہی نہیں ہیں بلکہ شرف صحابیت کے علاوہ نور دیدہ رسول ﷺ، بضعۃ الرسول ﷺ، صدیقہ، طاہرہ جن کی شان میں آیہ تطہیر، جن کی طلب منجانب اللہ مباہلہ میں ہوئی، جن کی تعظیم خود رسول ﷺ فرماتے ہوں، جن کے دروازہ پر آ کر رسول خدا ﷺ اپنا سلام اور اللہ کا پیام سناتے ہوں اور روزہ مرہ صبح صادق کے وقت ان کے دروازہ پر آ کر رسول خدا ﷺ اپنا سلام اور اللہ کا پیام سناتے ہوں، اس کے کمال شرف کو دیکھ کر یہ نہ سوچا جائے کہ اس مرتبہ کی بی بی جو خاتون جنت ہیں اور سیدہ نساء عالمین ہیں، کیا ان سے یہ ممکن تھا کہ وہ جاہل مسئلہ ہو کر یا دیدہ و دانستہ معاذاللہ ہوس دنیا اختیار کر کے وہ چیز طلب کریں جس کی وہ حق دار نہیں اور جب وہ

چیز ان کو نہ دی جائے تو وہ ایسی غضبناک ہو جائیں کہ مرتے دم تک نہ کلام کریں، نہ سلام کا جواب دیں، نہ اپنے جنازے میں شرکت کی اجازت دیں۔ پھر تنہا سیدہ علیہا السلام ہی اس مسئلہ میں نہیں رہ جاتیں، ان کے ساتھ علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی ہیں جنہوں سیدہ طاہرہ علیہا السلام کی شہادت دی ہے اور ان کے موقف کی حمایت کی ہے۔ کیا علی مرتضیٰ علیہ السلام صحابیت اور خلافت راشدہ، ان دونوں شرف کے علاوہ ان میں بہت سے اوصاف و کمالات میں منفرد نہیں ہیں، جن میں کوئی بھی صحابی ان کا شریک نہیں؟ مثلاً ان کا اہل بیت میں داخل ہونا، ان کا موصوف آیہ تطہیر ہونا، ان کا بچپن سے تربیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہنا، انکا دونوں مواخات کے وقت برادر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار پانا، ان کا معرکہ جنگ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنا، ان کا باب شہر علم ہونا، ان کا قاتل کفار و مشرکین ہونا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل و کفن و دفن میں ایسا منہمک و مشغول ہونا کہ اس وقت خلافت و اقتدار کی کشمکش کی طرف نظر ہی نہ کرنا (وغیرہ من الخصائص الکثیرہ) کیا علی و فاطمہ علیہما السلام کا صداقت و دیانت کا تحفظ اتنا بھی ضروری نہیں جتنا کہ دوسرے حضرات کا۔

صاحب رسالہ ازالہ شک نے جس بنیاد صحابیت و ممدوحیت قرآن پر یہ مسئلہ اٹھایا تھا وہ بنیاد، ان کی داغ بیل سے ہٹ کر پوری کی پوری اس طرف آ رہی ہے کہ علی وفاطمہ علیہم السلام جیسی عظیم ہستیاں نہ جاہل مسئلہ ہو سکتی ہیں، نہ ان سے یہ ممکن ہے کہ وہ جان بوجھ کر ناحق کسی چیز کو اپنا حق قرار دیں اور اس چیز پر نظر رکھیں جو ان کی نہیں۔ جنہوں نے اپنا سب کچھ راہ خدا اور راہ وفا میں لٹا دیا ہو۔ مال و جان کو دین حق پر قربان کر دیا ہو۔ ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ غاصب بن کر حق غیر کے طالب ہوں۔ مدح صحابہ والی تمام تر

آیات کہ جن کو پیش کر کے برأت صحابہ کی جاری ہے کیا ان تمام آیات میں علی وفاطمہ علیہم السلام بدرجہ اتم واکمل شامل نہیں؟

علیؑ وفاطمہؑ کا شرف صحابیت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ صحابیت ان کے شرف کا نقطہ آغاز ہے

کیا علی و فاطمہ علیہم السلام کی صحابیت سے بڑھ کر بھی کسی کو درجہ صحابیت حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، ان دونوں کی صحابیت ایک ایسی مستقل صحابیت ہے کہ انہوں نے آنکھ کھولی تو رسول ﷺ کی گود میں اور رسول ﷺ کی آنکھ بند ہوئی تو ان کی گود میں اور ان کے ہاتھوں میں۔ کوئی بتائے کہ مدح صحابہ والی آیات کی روشنی میں دیکھنے والوں کو یہ چہرے کیوں نظر نہیں آتے، جو سب سے زیادہ تاباں اور درخشاں ہیں؟ جن کی صحابیت، اصل صحابیت ہے۔ یقیناً ان تمام آیات میں یہ دونوں ہستیاں موجود ہیں اور کسی سے پیچھے نہیں۔ بلکہ سب سے آگے اور پیش پیش ہیں۔ البتہ وہ آیات قرآنیہ جو مخصوص علی و فاطمہ علیہم السلام اور اہل بیت کی مدح میں ہیں، ان آیات میں اہل بیت منفرد ہیں۔ وہاں کوئی ان کا نہ سہیم ہے نہ شریک۔ اور وہ آیات ایک دو نہیں ہیں، کثیر ہیں۔ علماء اہل سنت نے آیات مدح علی مرتضی علیہ السلام کو شمار کر کے بتایا ہے کہ وہ تین سو ہیں۔ حضرت احسن جائسی حنفی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

منم سنی ولیکن از تعصب الامان گویم
پسند خاطرم انصاف از دنیا و مافیہا

ز تفسیر کلام اللہ چو می پرسی شور ناطق
که سه صد آیه نازل شد بشان شوہر زہرا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت نہ تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ یہ دو متضاد چیزیں ہیں۔

محترم صاحب رسالہ مذکورہ نے علاقہ فدک کے بارہ میں دو مختلف راستے اختیار کئے ہیں۔ جن میں سے ہر راستہ دوسرے راستہ کو خود بند کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت ہی نہ تھا بلکہ وہ جائداد موقوفہ تھی۔ جس کے سرکار ﷺ محض متولی تھے۔ دوسری طرف وہ فرماتے ہیں کہ نبی کی میراث ہوتی ہی نہیں۔ اور نبی کے بعد نبی کے مال کا کوئی وارث ہوتا ہی نہیں۔ نبی اس مسئلہ میں امت کے مسائل میراث سے مستثنیٰ ہے اور یہ چیز نبی کے خصوصیات میں سے ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ یہ دونوں چیزیں کتنی مختلف ہیں کیوں کہ اگر فدک رسول ﷺ کی ملکیت ہی نہیں اور آپ ﷺ کے پاس محض امانت ہے تو امانت نبی کے پاس ہو یا غیر نبی کے پاس ہو، وہ کسی کے بھی وارث کو نہیں مل سکتی۔ اس میں نبی اور غیر نبی کا کوئی امتیاز نہیں۔ وراثت کا سوال تو اس چیز میں ہو سکتا ہے جو مورث کی ملکیت ہو۔ اگر واقعاً فدک رسول ﷺ کی ملکیت ہی نہ تھا تو سیدہ علیہا السلام کی طلب کا جواب سیدھا اور آسان یہ تھا کہ وراثت تو مورث کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ یہ رسول ﷺ کی ملکیت ہے کب،

جو کوئی وارث ہو۔ لیکن جواب یہ تو نہیں دیا گیا۔ یہ بات تو حضرات شیخین کے خیال میں بھی نہیں آئی تھی جو ہمارے مصنف محترم جیسے حضرات نے ایجاد کی ہے۔ اگر خلیفہ اول وثانی اس علاقہ کو ملکیت رسول ﷺ نہ سمجھتے ہوتے تو سیدہ علیہا السلام کے اس دعوے پر کہ میرے باپ نے مجھے ہبہ کیا ہوا ہے۔ وہ ہبہ کے گواہ کیوں طلب کرتے اور گواہوں کے گواہی دینے پر یہ کیوں کہتے کہ گواہی ناکافی ہے۔ یعنی کوئی اور گواہ ہونا چاہیے۔ ہبہ کے گواہوں کا طلب کرنا خود اس کی دلیل ہے کہ حاکم کو یہ تسلیم تھا کہ رسول ﷺ اس علاقہ کے اپنی زندگی میں مالک تھے اور ہبہ کرنے کے مجاز تھے۔ پھر ہبہ کا دعوے نہ مانے جانے پر جب سیدہ علیہا السلام نے وراثت کا دعویٰ کیا تو اس وقت بھی فدک کے ملکیت رسول ﷺ نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ البتہ یہ کہا گیا کہ یہ بات صرف انبیاء سے مخصوص ہے کہ ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں محض انبیاء کی خصوصیت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ عام لوگ جن چیزوں کے مالک ہوتے ہیں ان کے مرنے پر وارثان مالک ہوتے ہیں۔ لیکن نبی کے مالک ہونے کے باوجود اس کی ملکیت وارثان کو نہیں ملتی۔ کیونکہ امانت اور وقف کی چیزیں تو خواہ نبی کے پاس ہوں یا غیر نبی کے پاس ہوں ان میں کسی کے لئے بھی میراث کا سوال نہیں۔ ہمارے مخاطب محترم کا ان دونوں راستوں پر چلنا خود اس کی دلیل ہے کہ ان کا کوئی راستہ مضبوط نہیں، ہر طرف کمزوری ہے۔ مختصر یہ کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت نہ تھا تو پھر یہ کہنا کہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی یہ مہمل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ملکیت ہی نہ ہو تو اس میں نبی اور غیر نبی کسی کی بھی میراث نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات انبیاء سے مخصوص ہے کہ سب کی

طرح ان کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کہا گیا تو فدک کا مملوکہ رسول ﷺ ہونا مسلم۔ غرض کہ راستہ منزل تک پہنچے یا نہ پہنچے ایک ہی اختیار کرنا ہوگا مگر ہمارے موصوف نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور سوچا کہ اگر ایک بات سے کام نہ چلے تو دوسری بات سے چل جائے۔

کیا سیدہؑ کا دعویٰ، فدک پر صرف تولیت حاصل کرنے کے لئے تھا؟

موصوف نے اس کے علاوہ اور بھی گلکاریاں کی ہیں۔ مثلاً کہیں یہ کہا ہے کہ سیدہؑ کا دعویٰ میراث اور ملکیت کا نہ تھا بلکہ محض تولیت کا تھا۔ میں اس تخیل کو اضغاث احلام (خواب پریشان) کے سوا اور کیا کہوں؟ یہ تخیل ان کا طبع زاد ہے، جس کا ذکر اور وجود ان کی صحاح میں سے کسی صحیح میں نہیں، بلکہ ہر جگہ لفظ میراث موجود ہے۔ خود انہوں نے بھی جو حدیث حضرت عائشہ سے اپنے کتابچے میں لکھی ہے، اس میں بھی لفظ میراث موجود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ میراث حق ملکیت ہی کو کہتے ہیں۔ تولیت کو کوئی بھی عقلمند میراث نہیں کہہ سکتا۔ میراث ہے تو تولیت نہیں اور تولیت ہے تو میراث نہیں۔ لیکن وہ خود اپنی تحریر میں میراث اور تولیت دونوں لفظ استعمال کر کے سابق کی طرح دوراہہ اختیار کر رہے ہیں کہ کسی طرح کام چل جائے۔

کیا سیدہؑ کے دعویٰ کا مقصد صحابہ کی غیر جانب داری کو نمایاں کرنا تھا۔

یہ بھی ستم ظریفی ہے کہ ایک جگہ وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ سیدہ علیہا

السلام کا دعویٰ در حقیقت کسی بات کا بھی نہ تھا، نہ وراثت کا نہ تولیت کا۔ وہ فدک کی خواہشمند کسی بھی صورت میں نہ تھیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ محض نمائشی تھا اور سیدہ طاہرہ علیہا السلام کو مدعیہ بن کر محض یہ دکھانا تھا کہ خلیفہ اول و ثانی ایسے مقدس، پابند شریعت اور بے لاگ فیصلہ کرنے والے اور کسی کی رو و رعایت نہ کرنے والے ہیں کہ میرے بنت رسول ﷺ ہونے کے باوجود بھی انہوں نے میری جانب داری کر کے ناحق اور غلط فیصلہ کرنا گوارا نہ کیا۔ یعنی سیدہ علیہا السلام نے محض دکھاوے کا دعویٰ اس لئے کیا کہ میرے دعویٰ کرنے پر دنیا دیکھ لے کہ یہ حضرات صحیح راستہ پر اتنے مضبوط اور مستحکم ہیں کہ میری خاطر بھی صحیح راستہ نہیں چھوڑتے۔ وہ بتائیں کہ یہ بات انہوں نے کس صحیح سے نقل کی ہے جو اس میں صحت کا کوئی امکان ہو۔ یہ سخن سازی نہیں تو اور کیا ہے؟ حقائق سے کھلا انکار ہے، اپنے تمام تر علمی سرمایہ سے انحراف اور سیدہ پر بہتان کہ معصومہ علیہا السلام نے مدعیہ کا معاذاللہ محض بہروپ اختیار کیا تھا۔ جن کی خلافت سے علی و فاطمہ علیہم السلام دونوں کو تاحیات شدید انکار تھا کہ فدک کے اس واقعہ سے پہلے علی علیہ السلام کو قتل ہونا گوارا اور علی و فاطمہ علیہم السلام کو اپنے گھر کا جل جانا منظور مگر بیعت خلافت کسی طرح منظور نہیں۔ ان کے تقدس کو ظاہر کرنے کے لئے سیدہ علیہا السلام جھوٹ موٹ دعویٰ کر رہی ہیں۔ پناہ بخدا۔

کیا سیدہ حکومت کے فیصلہ پر راضی اور مطمئن ہو گئی تھیں؟

اسی طرح ہمارے محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیدہ حضرات شیخین کے فیصلہ پر راضی اور خوشنود ہو گئیں۔ محترم نے یہ نہ سوچا کہ ان کے عوام

سب ہی تو جاہل اور ناخواندہ نہیں ہیں۔ ان میں صاحبان علم بھی ہیں، جو تاریخ و تفسیر و حدیث کے عالم ہیں۔ ان کی نظر صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی صحاح پر بھی ہے۔ وہ حضرات آپ کے اس جملہ کو کس حقارت سے دیکھیں گے۔ ان کو آپ کا یہ مصنفہ رسالہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ پیارا تو نہیں ہو سکتا، جن میں سیدہ علیہا السلام کے غضبناک ہونے کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ جن میں ذکر ہے کہ پھر سیدہ علیہا السلام نے مرتے دم تک کلام نہیں کیا۔

اس پر ستم بالائے ستم یہ دیکھئے کہ مصنف محترم نے یہ بھی لکھ مارا کہ ایک شیعہ عالم نے بھی اپنی کتاب میں یہ تسلیم کیا ہے کہ دونوں خلیفہ کے فیصلہ فدک پر سیدہ علیہا السلام راضی اور خوشنود ہو گئیں۔ غضب خدا کا جو بات سنی محدث اور سنی امام تفسیر و حدیث بھی کبھی نہ کہہ سکا وہ بات شیعہ کہے گا؟ شیعہ ایسی من گھڑت بات جو سیدہ علیہا السلام پر محض افتراء اور بہتان ہو کیسے کہہ سکتا ہے اور ایسی بات کہہ کر وہ شیعہ کیسے ہو سکتا ہے۔

سبحانک هذا بهتان عظیم.

یہ بات تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص ہے تو شیعہ مگر وہ بارہ اماموں کی امامت کا منکر ہے اور خلافت ثلاثہ کی خلافت کو برحق مانتا ہے یا جیسے کسی سنی کے لئے کوئی کہے کہ وہ ہے تو سنی لیکن خلافت ثلاثہ کو ناجائز سمجھتا ہے اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل مانتا ہے۔

فیصلہ حکومت پر سیدہؑ کا غضبناک ہونا صحیحین میں مرقوم ہے

میرے محترم فاضل مصنف ایمان سے بتائیں کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل میں یہ عبارت موجود ہے یا نہیں؟

عن مروة ابن زبیر ان عائشة ام المومنین رضی اللّٰہ عنھا الخبرتہ انی فاطمۃ رضی اللّٰہ عنھا بنۃ رسول اللّٰہ سالت ابا بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ بعد وفات رسول اللّٰہ ان یقم لما میراثھا مترک رسول اللّٰہ مما افاء اللّٰہ علیھم فقال ابوبکر ان رسول اللّٰہ قال لا نورث ماترکناہ صدقہ فغضبت فاطمہ بنت رسول اللّٰہ فھجرت ابا بکر فلم تزل مھاجر حتی توقیت۔

یعنی عروہ ابن زبیر سے منقول ہے کہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے بعد وفات رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو میراث مجھ کو پہنچتی ہے وہ مجھے دو۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہمارا متروکہ صدقہ ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ علیہا السلام ابوبکر پر غضبناک ہوئیں اور مرتے دم تک فاطمہ علیہا السلام نے ان سے صاحب سلامت تک نہ کی۔

پھر کیا صحیح بخاری کی دوسری حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں؟

ان فاطمۃ بنت النبی ارسلت الی ابی بکرتسالہ میراثھا من رسول اللّٰہ مما افاء اللّٰہ علیھا بالمدینہ و فدک وما لیتی من خمیس خیبر الی ان قال ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ ان یدفع الی فاطمہ رضی اللّٰہ عنھا شئیا فوجدت فاطمۃ علی ابی بکر فی ذالک فلم تکلمہ حتی توفیت و عاشت بعد النبی رسنۃ اشھر فلما توفیت دفنھا

زوجها علی رضی اللہ عنہ لیلاً ولم یوذن بها ابابکر وصلی علهیا۔

یعنی فاطمہ علیہا السلام بنت نبی ﷺ نے ابوبکر کے پاس کسی کو بھیج کر اپنی اس میراث کا جو رسول اللہ ﷺ سے پہنچی تھی سوال کیا۔ یہ چیزیں کچھ مدینہ میں تھیں اور فدک تھا اور خیبر کا باقی خمس تھا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ پس ابوبکر نے فاطمہ علیہا السلام کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔ پس فاطمہ علیہا السلام ابوبکر پر ایسی رنجیدہ اور ناخوش ہوئیں کہ مرتے دم تک انہوں نے حضرت ابوبکر سے کلام نہ کیا اور وہ نبی ﷺ کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے شوہر علی مرتضیٰ علیہ السلام نے ان پر نماز پڑھ کر شب کے وقت ان کو دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر کو شرکت جنازہ کی اجازت نہ دی۔

محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں کہ

حضرت فاطمه زہرا وصیت کرده بود که متکفل غسل و تجهیز اسماء بنت عمیس و علی مرتضی باشد دیگرے را در آں جا دخلی نباشد، و ایں روایت رد آں می کند که گفته اند ابوبکر رضی الله عنه را علم بوفات حضرت فاطمه نه بود و عدم حضور به جنازه او ازیں جهت بود. زیرا که اسماء بنت عمیس درآں زمان در تحت ابوبکر بود و بغایت بعید ست که زوجه او حاضر باشد و غسل داد و شوہرش را وقوف نبود.

یعنی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے وصیت کی تھی کہ ان کے غسل و تجہیز کا اہتمام بنت عمیس اور علی علیہ السلام کریں۔ وہاں اور کسی کو دخل نہ ہو اور کچھ لوگ

یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا حضرت فاطمہ علیہا السلام کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کو فاطمہ زہرا علیہا السلام کی وفات کا علم نہ تھا اس قول کی تردید، اسماء بنت عمیس کی موجودگی سے خود بخود ہو رہی ہے کیونکہ یہ بات بہت بعید ہے کہ اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر وہاں موجود ہوں اور غسل دیں اور حضرت ابوبکر ان کے شوہر کو وفات سیدہ کی خبر نہ ہو۔

نوٹ: اسماء بنت عمیس اصلاً جناب جعفر طیار، برادر علی مرتضیٰ علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ بعد شہادت حضرت جعفر طیار بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا عقد حضرت ابوبکر سے ہوا اور بعد وفات حضرت ابوبکر پھر یہ زوجیت علی مرتضیٰ علیہ السلام میں آئیں۔ بہر حال اس محترمہ بی بی کو جناب سیدہ علیہا السلام سے مخصوص الفت تھی اور یہ مومنہ محبہ اہل بیت تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعد وفات سید الانام جب مسئلہ خلافت اور مسئلہ فدک میں اہل بیت علیہم السلام اور حضرت ابوبکر کے درمیان سخت رنج و ملال پیدا ہوا تو حضرت اسماء نے ان مسائل میں اہل بیت کا پورا پورا ساتھ دیا بلکہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حق میں شہادت دی عجب نہیں کہ شوہر سے منقطع ہو جانے ہی کی وجہ سے اس بی بی کو خاتون جنت کی خدمت کا پورا موقع ملا ہو۔

محدث دہلوی کی عبارت مرقومہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر جنازہ سیدہ علیہا السلام میں شریک نہیں ہوسکے اور یہ غلط ہے کہ ان کی عدم شرکت لاعلمی کی بنا پر ہو بلکہ ان کو علم ضرور تھا پھر عدم شرکت کی وجہ کچھ اور ہی تھی اور وہ وجہ وہی تھی جس کو معتبر ترین صحاح نے بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو شرکت جنازہ کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

اب صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند الامت والسیامت امام احمد بن حنبل کے ان بیانات کی جن کو ہم بیان کر چکے ہیں، تاریخ الامامۃ والسیاستہ سے مکمل تائید ملاحظہ فرمائیے۔ یہ تاریخ الامامۃ والسیاستہ ابن قتیبہ دینوری کی ہے جو اعاظم علماء اہل سنت سے ہیں۔ ان کے تبحر علم کو ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اور ابن فہد مکی نے اتحاف الوریٰ میں اور ابن الشیخ البطویٰ نے اور حضرت محمود رافعی نے تسلیم کیا ہے اور ان کی کتاب مذکورہ کی توثیق کی ہے۔ ہم کتاب سہم صائب سے کتاب الامامت والسیاست کی عبارت حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔

ان عمر قال لابی بکر انطلق بنا-الی فاطمة فانا قد اغضبنا هافانطلقا جمعیاً ما ستاذنا فاطمة فلم تاذن لهما فاتیا علیاً فکلما فادخلهما علیها فلما قعداعند ها حولت وجهها الی الحائط فسلما علیها فلم ترد علیهما السلام فتکلم ابوبکر فقال یا حبیبه رسول الله والله ان قرانیة رسول الله احب الی من ان اصل قرابتی وانک احب الی من عائشة ابنتی و لوددت یوم مات ابوک انی مت ولاابقی بعده افترانی اغرفک و اغرف شرفک فضلک و اصنعک حقک و میراتب من رسول الله الا وانی سمعت رسول الله یقول لانورث ما ترکناه فهو صدقة وقالت ارتیلما ان حدتنکما حدیثاً من رسول الله اتعرفانه و تعقلانه قالا نعم فقالت انشد کما بالله الم تسمعا من رسول الله یقول رضاء فاطمة من رضای و سخطها من سخطی و من احب فاطمة احبنی ومن

اسخط فاطمة مقدااسخطنی قالا نعم و سمعناه من رسول الله قالت فانی اشهد الله وملائکة انکما اسخطتمانی وما ارضیتهانی ولئن لقیت النبی لاشکر تکما فقال ابوبکر عائذاً باالله من سخطه و سخطک فاطمة ثم انتحب ابوبکر باکیاً تکادنفسه ان تزهق وهی لقول والله لا دعون الله علیک فی کل صلواة وابوبکر یبکی و یقول والله لا وعدن الله لک فی صلواة اصلیها ثم خرج باکیاً۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا سیدہ علیہا السلام کو رضا مند کرنے کی کوشش کرنا۔ لیکن ناکام واپس آنا

یعنی حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ ہمیں فاطمہ علیہا السلام کے یہاں چلنا چاہیے کیونکہ ہم نے فاطمہ علیہا السلام کو غضب ناک کیا ہے۔ وہ دونوں چلے اور فاطمہ علیہا السلام سے آنے کی اجازت چاہی۔ لیکن فاطمہ علیہا السلام نے ان کو مطلق اجازت نہ دی۔ پھر یہ دونوں علی علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کی علی علیہ السلام ان دونوں کو گھر میں لے آئے۔ جب یہ دونوں بیٹھ گئے تو فاطمہ علیہا السلام نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ پس ان دونوں نے فاطمہ علیہا السلام کو سلام کیا۔ لیکن فاطمہ علیہا السلام نے ان کو جواب سلام نہ دیا۔ پس ابوبکر نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اللہ کی قسم مجھے اپنی قرابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کہیں زیادہ عزیز ہے اور یقیناً تم مجھے اپنی بیٹی عائشہ سے زیادہ عزیز ہو۔ میری تو یہ تمنا تھی کہ جس روز آپ علیہا السلام کے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی میں بھی اسی روز مر جاتا اور

ان کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ مجھ کو یہ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کو پہچاننے اور آپ کے فضل و شرف کو جانتے ہوئے آپ کو آپ کے حق سے اور آپ کی میراث سے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پہنچی تھی محروم کر سکتا تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔

پس فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا دیکھو اگر میں رسول اللہ ﷺ کی تم سے حدیث بیان کروں اور تم سے پوچھوں کہ کیا تم اس حدیث کو جانتے اور سمجھتے ہو تو بتاؤ گے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ضرور بتائیں گے۔ پس فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہیں سنا فاطمہ کی خوشنودی عین میری خوشنودی اور اس کی ناراضگی عین میری ناراضگی ہے اور جس نے فاطمہ علیہا السلام سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو خوش رکھا اس نے مجھے خوش رکھا اور جس نے فاطمہ علیہا السلام کو رنج دے کر غضب ناک کیا اس نے مجھے رنج دیا اور غضب ناک کیا؟ دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

پس فاطمہ علیہا السلام نے کہا کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ یقیناً تم دونوں نے مجھ کو غضب ناک کیا۔ تم لوگوں نے مجھے خوشنود نہیں کیا اور یقیناً جب میں نبی ﷺ سے جا کر ملوں گی تو ضرور ان سے تمہاری شکایت کروں گی۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے اور آپ علیہا السلام کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اے فاطمہ۔ پھر وہاں سے ابوبکر روتے ہوئے اٹھے۔ قریب تھا کہ ان کی جان نکل جائے۔ اس وقت فاطمہ علیہا السلام کہہ رہی تھیں کہ اے ابوبکر میں ہر نماز میں تم پر بددعا

کروں گی اور ابوبکر روتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں تو ہر نماز میں آپ کے لئے دعائے خیر کرتا رہوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر روتے ہوئے واپس آ گئے۔

عبارت بالا میں صاحب کتاب الامۃ و السیاسۃ نے جو کچھ بیان کیا ہے اصلاً یہ وہی چیز ہے جس کو صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل نیز شیخ عبدالحق دہلوی نے (جذب القلوب میں) بیان کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اجمال تھا۔ جس کو علامہ ابن قتیبہ دینوری نے بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ کیوں کہ سیدہ طاہرہ علیہا السلام کا حضرت ابوبکر کے جواب پر غضب ناک ہونا اور ان سے تادم وفات کلام و سلام کا ترک کر دینا اور شرکت جنازہ کی اجازت کا نہ دیا جانا یہی اصل واقعہ کی بنیادی چیزیں تھیں، جن کو کتب صحاح نے خود بیان کیا ہے۔ ان ہی بنیادی چیزوں کی تشریح کتاب الامۃ والسیاسۃ کی مذکورہ عبارت سے ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت عمر نے، حضرت عباس (عم رسول) اور حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ مسئلہ فدک میں تم دونوں نے مجھے اور میرے پیش رو یعنی حضرت ابوبکر کاذب آثم (گنہگار) غادر (باغی) خائن (غاصب) سمجھا۔

اس واقعہ کو کتاب نفس مناظرہ میں ایک سنی عالم علامہ سید نہال احمد نقوی نے بھی یہ کہتے ہوئے بیان کیا ہے کہ علامہ حائری نے موعظہ حسنہ میں صحیح مسلم جلد دو صفحہ ۹۱ سطر دوئم مطبوعہ نولکشور سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

لما توفی رسول الله قال ابوبکر انا ولی رسول الله فهما تطلب میراثک من ابن اخیک و یطلب هذا میراث امرئته من بینها قرابتها فی کاذب آثما غادراً خائناً.

اس پوری عبارت صحیح مسلم کا ترجمہ علامہ حائری کے حوالہ سے نفس

مناظرہ میں جو مذہب شیعہ کی تردید میں بڑے زور شور سے لکھی گئی ہے مرقوم ہے۔ ترجمہ عبارت صحیح مسلم از قلم علامہ حائری:

(حضرت عمر فرمار ہے ہیں حضرت علی علیہ السلام اور عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے)

"جب رسول نے وفات پائی تو ابو بکر نے کہا میں رسول اللہ کا ولی ہوں پس تم دونوں آئے اے عباس تم تو اپنی میراث بھتیجے کے مال سے طلب کرنے لگے اور یہ (علی علیہ السلام) اپنی زوجہ کا حق، میراث پدری سے طلب کرنے لگے پس ابو بکر نے کہا کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہیں۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ پس تم دونوں نے ابو بکر کو کاذب، غادر، خائن اور آثم سمجھ لیا۔ ان کی وفات کے بعد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر کا ولی قرار پایا پس تم دونوں نے مجھے بھی کاذب، غادر، خائن اور آثم سمجھ لیا۔

اب ہمارے محترم مصنف ازالہ شک اور تمام انصاف پسند حضرات دیکھیں کہ انہوں نے یا ان کے امثال نے یہ فیصلہ کر کے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام حکومت کے فیصلہ پر راضی اور مطمئن ہو گئیں بزرگان دین اور علماء ملت کی انتہائی معتبر کتابوں کو اور ان کے معتبر روایات کو کس بے دردی سے جھٹلایا۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل کسی کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا اور اپنی سب کتابوں کو یک قلم مسترد کر دیا اور اپنی من گھڑت خود ساختہ اور نو تصنیف اور بے سر و پا بات کو اونچا کر کے سب کو نیچا دکھا دیا۔

یہ کتابیں تو علی الاعلان کہہ رہی ہیں کہ حکومت کا فیصلہ سن کر سیدہ علیہا السلام انتہائی ناراض اور غضب ناک ہوئیں نہ تاحیات کلام کیا نہ جواب سلام دیا یہاں تک کہ اپنے جنازہ میں شرکت بھی گوارا نہ کی اور حکومت کے فیصلہ پر

فاطمہ زہرا علیہا السلام اور ان کے شوہر نے یہ فیصلہ کر لیا کہ فریق مخالف کاذب، آثم، غادر اور خائن ہے۔

ہم نے ازالہ الشک کے بعد ایک اور کتاب، نفس مناظرہ پڑھی ہے، جو علامہ سید نہال نقوی امروہی نے اسی مسئلہ فدک پر حمایت حضرات شیخین میں تحریر فرمائی ہے ہم نے اوپر اس کتاب کا ذکر بھی کیا ہے۔ کتاب نفس مناظرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مصنف ازالہ الشک نے اسی کتاب کے مضامین لے کر ان ہی چبائے لقموں کو دوبارہ چبا کر اپنے آپ کو مصنفین کے زمرہ میں شامل کر لیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مصنف ازالتہ الشک نے "نفس مناظرہ" کے طول بیان کو مختصر کر دیا ہے ورنہ ہر بات وہی ہے۔

دونوں نے سیدہ علیہا السلام کے غضب ناک ہونے سے انکار کیا۔ جو دراصل اپنی صحاح اور اپنی ہی تفاسیر و تواریخ کا انکار ہے۔ دونوں نے کہا ہے کہ سیدہ علیہا السلام نے خود اپنے منہ سے نہیں کہا کہ میں غضب ناک ہوں۔

سیدہ علیہا السلام نے حضرات شیخین سے فرمایا کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور حضرات شیخین بھی آپس میں کہہ رہے ہیں کہ ہم نے سیدہؑ کو غضب ناک کیا۔

حالاں کہ غضبناک ہونے والا یہ اعلان تو نہیں کیا کرتا کہ اب میں غضبناک ہو رہا ہوں۔ اس کا غیظ و غضب دیکھنے والے ہی دیکھتے ہیں اور دیکھ کر بیان کیا کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے دونوں مصنفین کی یہ ضد بھی پوری کر دی کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا غضب ناک ہونا ان کے منہ سے دکھاؤ۔ ناظرین دیکھ لیں

کہ غضب ناک ہونے والی خاتون معظمہؑ خود شیخین سے فرما رہی ہیں۔

اشهد الله وملائكته انكما استخطتمانى وما ارنيمانى.

یعنی میں اللہ اور اس کے ملائکہ کو گواہ کرتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور تم نے مجھے ناخوش کیا۔ پھر لطف یہ ہے کہ سیدہ علیہا السلام جن پر غضبناک ہوئیں وہ بھی بجائے خود کہہ رہے ہیں کہ ہم نے فاطمہ کو غضبناک کیا ہے جیسا کہ دکھا چکے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر سے فرما رہے ہیں کہ۔

انطلق بنا الى فاطمة فانا قد اغضبنا.

ہم کو فاطمہ علیہا السلام کے یہاں چلنا چاہیئے کیونکہ ہم نے ان کو غضبناک کیا ہے۔

اسی طرح ہم صحیح مسلم سے یہ دکھا چکے ہیں کہ حضرت عمر فرما رہے ہیں علی علیہ السلام اور عباس سے کہ تم دونوں نے میرے اور ابوبکر کے فیصلہ فدک پر ہم دونوں کو کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھا۔

حضرت ام المومنین عائشہ فرما رہی ہیں، عروہ ابن زبیر سے کہ جب فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر سے اپنی میراث طلب کی تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ زہرا کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا تو فاطمہ علیہا السلام ابوبکر سے ناراض ہو گئیں اور بالکل کنارہ کش اور بے تعلق ہو گئیں اور انہوں نے پھر کوئی کلام ابوبکر سے نہ کیا، یہاں تک کہ فاطمہ علیہا السلام کی وفات ہو گئی اور فاطمہ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر علی علیہ السلام نے شب میں ان کو دفن کیا اور ابوبکر کو شرکت جنازہ کی اجازت نہ دی (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ سطر ۱۵۔ نولکشور)

تقریباً یہی عبارت ام المومنین عائشہ سے صحیح بخاری میں مندرج ہے

البتہ صحیح بخاری میں سیدہ علیہا السلام کے دفن وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن سیدہؑ کی ناراضگی اور حضرت ابوبکر سے تادم وفات کنارہ کشی اور ترک کلام کا ذکر موجود ہے۔ علامہ سید نہال احمد (صاحب نفس مناظرہ) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو دیکھ کر جب کچھ بس نہ چلا تو وہ ام المومنین حضرت عائشہ کو تو کچھ نہ کہہ سکے، لیکن ام المومنین نے جس عروہ ابن زبیر سے یہ سب ماجرا بیان کر دیا اور عروہ نے دوسروں سے بیان کیا، علامہ موصوف اس غصہ میں کہ عروہ نے یہ راز کیوں کھولا، عروہ پر اس بری طرح سے برس پڑے کہ عروہ کو جھوٹا، حدیث ساز اور خارجی تک کہہ دیا، مگر لطف دیکھئے کہ اسی کتاب "نفس مناظرہ" میں مولوی حافظ مشہود حسن، عالم اہل سنت، مدرس مدرسہ اسلامیہ، کشمیری گیٹ دہلی نے جنہوں نے اس کتاب کی بڑی شدومد سے مدح و ثنا کی ہے تحریر فرمایا ہے کہ فاضل مصنف نے عروہ ابن زبیر کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ حضرت عروہ تمام محدثین کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۵۳ جلد ۱، تقریب التہذیب صفحہ ۴۴ وغیرہ کتب میں ان کی ثقاہت کو ذکر کیا گیا ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

مصنف "نفس مناظرہ" نے عروہ کی تذلیل و تکذیب میں صفحات بھر دیئے اور خود ان کے عالم جو اسی کتاب پر مقدمہ ستائش لکھ رہے ہیں مصنف کی تردید کر رہے ہیں اور عروہ کو تمام محدثین کے نزدیک ثقہ بتا رہے ہیں۔

کیا قرآن کریم انبیاء کی میراث کی نفی کرتا ہے؟

غرض کہ ہر دو مصنف اپنی تمام کتابوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سیدہ علیہا السلام حکومت کے فیصلہ پر راضی ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ کتنا غلط ہے، ہمارا کام دکھا دینا تھا دکھا دیا۔

لااکراہ فی الدین

لیکن ہم یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ جب صحاح ستہ بھی صحیح نہیں تو یہ بتائیں کہ ہم کون سی کتاب پیش کریں۔ اب ایک کتاب خدا ہی باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بقول شاعر

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

جب یہی ٹھان لیا ہو کہ ہم کسی صورت نہ مانیں گے تو کتاب خدا کی بات بھی کیسے مانی جائے۔

دونوں مصنف یہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ انبیاء کی میراث وارثوں کو پہنچتی ہے۔ سبحان اللہ

قرآن کریم انبیاء کا نام لے کر ان کی وراثت دکھا رہا ہے

بھائی آیات قرآنی ایک نہیں چار ہیں، تا کہ سیدہ کی طرف سے چار شاہد عادل شہادت دیں۔ جب کہ چار شہادتوں کا ہونا شہادت کی حد آخر ہے۔

(۱) ورث سلیمان داؤد. (۲۷:۱۶)

سلیمان علیہ السلام بیٹا اپنے باپ داود علیہ السلام کا وارث ہوا۔

(۲) و انی خفت الموالی من ورائی وکانت

امرتی عاقراً فهب لی من لدنک ولیاً یرثنی و یرث من آل یعقوب واجعله رب رضیاً۔ (مریم ۵، ۶)

یعنی زکریا علیہ السلام نے کہا کہ (اے پالنے والے) میں اپنے بعد بنی اعمام کے تصرف ناجائز سے ڈرتا ہوں، تو مجھے باوجودیکہ میں نہایت بوڑھا ہوں اور میری زوجہ بھی بانجھ ہے، مگر اپنی قدرت سے بیٹا دیدے جو میرا اور میرے بزرگوں کا وارث ہو۔

دونوں آیات صاف ہیں بشرطیکہ سننے والا بھی صاف دل ہو۔ دونوں داؤد علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام صریحاً نبی ہیں۔ دونوں کی وراثت کا ان کے بیٹوں کو پہنچنا دکھایا جارہا ہے۔ کتب صحاح سے تو انکار تھا ہی، قرآن کریم بھی اس زد سے نہ بچا اور کہہ دیا گیا کہ یہاں وراثت علم اور وراثت نبوت مراد ہے، وراثت مال مراد نہیں۔

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ علم اور نبوت وہ ترکہ نہیں ہے جو وارثوں میں تقسیم ہو۔ ایسے بھی نبی گذرے ہیں جن کی اولاد نبی نہیں ہوئی اور ایسے بھی نبی گذرے ہیں جن کا باپ نبی نہ تھا۔ نبوت تو منصب الہیٰ ہے، جس کو وہ اس منصب کا اہل پیدا کرتا ہے، اسے عطا کرتا ہے۔ خواہ وہ نبی کا بیٹا ہو یا غیر نبی کا۔ خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نبی کے بیٹے نہیں ہیں۔ بلکہ بقولے معاذاللہ کسی مومن اور خدا پرست کے بھی بیٹے نہیں۔ کسی نبی کی نبوت اور علم کا وارث تو شخص غیر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کو محض نبوت اور علم کا وارث ہی درکار تھا تو دعا میں اس قید کی کیا ضرورت تھی کہ میرے ہلتے ہوئے سر اور میری زوجہ کے بانجھ ہونے کے باوجود معجزانہ طور پر مجھے بیٹا ہی دے، جو میرے علم اور میری نبوت کا وارث ہو۔ اس صورت میں بیٹا ہونے

کی قید لگانا محض بیکار تھی اور سیدھی دعا یہ تھی کہ خداوند مجھے اپنے اقرباء سے یہ ڈر ہے کہ وہ میرے علم اور میری نبوت کی کوششوں کو ضائع کر دیں گے، لہذا تو میرے بعد بھی کسی کو نبی قرار دینا اور سلسلہ نبوت کو قائم رکھنا۔ اس کے علاوہ اگر ذوق صحیح سے کام لیا جائے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے خداوند عالم سے صرف دو سوال کئے ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے بیٹا دے، دوسرے یہ کہ اس کو نیک اور صالح کرنا، یہ نہیں کہ مجھے بیٹا دے تو وہ خود بخود تیرے عام قانون کی رو سے میرا وارث ہو جائے گا۔ یہ کس قدر کھلی ہوئی بات ہے کہ دعا صرف بیٹا دینے اور اس کے نیک ہونے کی ہے۔ یہ نہیں کہ تو اس کو میرا وارث بھی بنانا بلکہ یہ کہ بیٹا دینا تیرا کام ہے وارث تو وہ خود بخود میرا ہو جائے گا۔

وارث ہونا اور بات ہے اور وارث کرنا اور بات ہے۔ نبوت اور علم کے لئے وارث کیا جاتا ہے۔ خود بخود کوئی وارث نہیں ہوا کرتا۔ البتہ مال کی وراثت اقرباء کو عام قانون سے خود بخود پہنچتی ہے اور اقرباء وارث ہو جاتے ہیں۔

اگر مراد نبوت ہوتی تو یہ دعا کا جزو لازم تھا کہ

ھب لی ولیاً واورثنہ۔

مجھے بیٹا دے اور اس کو میرا وارث بھی کر کیوں کہ یہ عین ممکن ہے کہ وہ نبی کا بیٹا ہو اور نیک بھی ہو مگر وارث نبوت نہ ہو۔ کیونکہ نبوت کی وراثت وہ حقیقی

اور عام وراثت نہیں ہے کہ بیٹے کو خود بخود پہنچ جائے۔ یہ شان محض وراثت مال کی ہے۔ جس کے لئے بیٹا ہونا اور محض دیندار ہونا کافی ہے۔ دونوں آیتوں پر غور کیجیئے۔

دونوں جگہ فعل وراثت کا فاعل وارث یعنی سلیمان علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی اللہ نے اپنی ذات کو فاعل نہیں قرار دیا یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنایا اور نہ یہ کہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا کہ مجھے بیٹا دے کہ اس کو میرا وارث بنا دے۔ دونوں جگہ وارث ہونا بیان کیا گیا ہے۔ خود بخود وارث ہونا، وراثت مال کی بین دلیل ہے۔ ورنہ علم اور کتاب کی وراثت کا ذکر قدرت نے اس طرح نہیں کیا کہ فلاں شخص وارث ہو گیا۔ وارث ہونا اور بات ہے اور قدرت کا خاص انعام کرتے ہوئے وراثت بنانا اور بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جاتا ہے۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔

پھر ہم نے وارث کر دیا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چنا۔

یہاں چونکہ قرابت داری کی بناء پر عام وراثت مالی کا ذکر نہیں ہے، بلکہ علم اور منصب میں جانشینی کا ذکر ہے، اس لئے یہ نہیں کہا کہ ہمارے چیدہ بندے وارث ہو گئے بلکہ یہ کہا کہ ہم نے چیدہ بندوں کو وارث بنایا۔ اگر ان دونوں کی علمی اور منصبی جانشینی کا ذکر ہوتا تو یہاں بھی آیتوں میں سلیمان علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے وارث کئے جانے کا ذکر ہوتا، خود بخود وارث ہو جانا نہ کہا جاتا۔

(۳) یوصیکم اللہ فی اولاد کم الذکر مثل حظ

انثیین۔ (۱۱:۴)

یعنی اللہ تمہاری اولاد میں وراثت جاری کرنے کی وصیت کرتا ہے لہٰذا مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کے عموم میں نبی کا کہیں استثناء نہیں ہے۔

(۴) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔ (۳۳:۴)

یعنی ہم نے والدین اور اقربأ کے ترکہ میں ہر ایک کے بلا استثنا وارث قرار دیئے ہیں۔ یہاں آیت میں اور بھی زیادہ صراحت موجود ہے کہ کوئی بھی مرنے والا ایسا نہیں کہ جس کی اولاد اور اقربأ وارث نہ ہوں۔ وہ مرنے والا خواہ امت میں سے ہو یا نبی ہو۔ اگر بالفرض انبیاء کی وراثت نہ ہوتی تو آیت کے لفظ کل کے بعد انبیاء کا استثناء بیان کیا جانا کتنا ضروری تھا، جو مطلقاً نہیں ہے۔

اب کسی کا یہ کہنا کہ مستثنیات قرآن میں اگر نہیں ہیں، تو شریعت میں موجود ہیں۔ مثلاً کسی کی اولاد اگر کافر ہو تو وارث نہیں ہوتی۔ غلام ہو تو غلام وارث نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ نبی کی اولاد اور اقربأ بھی وارث نہ ہوں۔

میں کہوں گا کہ تقریر بالا بظاہر خوش آئند ہے۔ لیکن قطعاً بے محل اور حرف غلط ہے۔ کیوں کہ آیت نے یہ نہیں کہا کہ مرنے والے کی تمام اولاد اور اقربأ وارث ہوں گے بلکہ یہ کہا ہے کہ تمام مرنے والوں کی اولاد اور اقربأ وارث ہوں گے جس کے معنی صاف ہیں کہ اقربأ میں ایک دوسرے پر ترجیح ہو سکتی ہے۔ لیکن مرنے والوں میں یہ کوئی امتیاز نہیں کہ کسی مرنے والے کی

وراثت جاری ہو اور کسی کی نہ ہو۔ اچھی طرح غور کیجئے وارثان میں استثناء ہو سکتا ہے کہ کسی کو ملے اور کسی کو نہ ملے۔ لیکن مرنے والوں میں کسی کا استثناء نہیں۔ جو بھی مرے گا اس کا ترکہ اس کے قرابت داروں کو ضرور ملے گا۔

(آیت) ہم نے ہر ایک مرنے والے کے وارث قرار دیئے ہیں۔ اس میں نبی اور غیر نبی سب شامل ہیں۔ اگر وارثان میں سے کافر، غلام یا قاتل کو ورثہ نہیں ملتا۔ تب بھی متوفی کا ترکہ ملے گا اقربا ہی کو۔ لہذا وارثان کے استثناء ترجیح اور تخصیص کی مثالیں محض فریب ہیں۔ آپ کو ضرورت تھی مورث کا استثناء دکھانے کی کہ فلاں متوفی کا ترکہ اقربا کو ملے گا اور فلاں کا ترکہ اقربا کو نہ پہنچے گا، بلکہ وہ صدقہ ہو گا۔ لیکن آپ اس ہی مثال لائیں کہاں سے، آپ کے پاس ہر پھر کر وہی ایک حدیث ہے کہ انبیاء کے وارث نہیں ہوتے۔

حدیث "نحن معاشر الانبیاء" کو سیدہ علیہا السلام نے حدیث رسول ﷺ نہیں مانا۔ بلکہ حدیث راوی قرار دیا۔

اس حدیث کا فیصلہ جو سراسر مخالف قرآن ہے، سیدہ علیہا السلام کر چکیں کہ یہ حدیث رسول ﷺ نہیں ہے بلکہ حدیث راوی ہے۔ اگر یہ حدیث رسول ﷺ ہوتی تو علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام اس سے لاعلم کیسے رہ سکتے تھے اور خود رسول ﷺ ان کو لاعلم کیسے رکھ سکتے تھے۔ پھر باپ کی حدیث سن کر سیدہ علیہا السلام، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کیوں غضبناک اور ناراض ہوتیں۔

اگر یہ غضبناکی اور ناراضگی معاذاللہ سیدہ علیہا السلام کے حریص مال دنیا ہونے کی بناء پر ہوتی تو یہ غیظ و غضب، خاکم بدہن اپنے باپ ﷺ پر ہوتا۔ لیکن یہ تو کسی نے جھوٹوں بھی نہیں کہا کہ سیدہ علیہا السلام اپنے باپ ﷺ پر غضبناک ہوئیں بلکہ سیدہ نے تو یہ کہا کہ میں تم دونوں کی اپنے باپ ﷺ سے شکایت کروں گی۔ جس کے معنی بالکل صاف ہیں کہ پیش کردہ حدیث میرے باپ ﷺ کی نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی ہے۔

قرآن کریم کی ان چار شہادتوں کے ہوتے ہوئے، جن میں دونوں خاص نبی ہی کی وراثت بتا رہی ہیں اور ہر متوفی کی وراثت کا اعلان کر رہی ہیں، جن میں نبی کی وراثت کا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ انبیاء کی وراثت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں، کتنا تعجب خیز ہے۔ حالانکہ اگر قرآن کریم میں خاص طور پر کسی ایک جگہ بھی نبی کی وراثت کا ذکر نہ ہوتا اور صرف عام قانون وراثت پر اکتفاء کیا جاتا تب بھی اس بناء پر کہ وراثت سے نبی کو کہیں مستثنیٰ نہیں کیا۔ نبی کی وراثت ثابت تھی، چہ جائیکہ دو مثالیں قرآن کریم نے نبی کی وراثت کی بھی دے دیں۔

ہم نے قرآن کریم سے چار شہادتیں پیش کر کے ثابت کر دیا کہ ازروئے قرآن حکیم انبیاء کی وراثت ٹھیک اسی طرح جاری ہوتی ہے، جس طرح عام مومنین کی۔ اب جس کو اختلاف ہو وہ ہمیں قرآن کریم سے ایک جملہ ہی ایسا دکھا دے، جس سے انبیاء کی وراثت کی نفی کا کہیں شائبہ بھی پایا جا سکے۔ غالباً اسی وجہ سے علامہ شبلی نے الفاروق میں اس حدیث کو معرض بحث نہیں قرار دیا بلکہ اپنا تمام تر زور استدلال اس پر صرف کیا ہے کہ فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت ذاتی نہ تھا۔ بلکہ دوسرے تمام علاقوں کی طرح آنحضور ﷺ فدک کے بھی متولی تھے اور فدک بھی اسی طرح اسلامی ریاست کا جز

تھا، جس طرح دوسرے مفتوحہ علاقے۔ یعنی علامہ شبلی کے نزدیک فدک میں مسئلہ وراثت جاری نہ ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ وجہ یہ تھی کہ سرکار اس مستدعویہ فدک کے مالک ہی نہ تھے جو اس میں کوئی وارث ہوتا۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر مرنے والا نبی ہو یا غیر نبی، محض ایک چیز کا امین اور متولی ہے تو وہ چیز اس کے وارثوں پر تقسیم نہیں ہو سکتی۔ لیکن سیدہ علیہا السلام کے فریق مقابل نے تو یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ تم بیٹی ہو کہ جو باپ کی وراثت چاہتی ہو، وہ تمہارے باپ کی ملکیت ہی نہ تھی۔ وہاں جواب تو یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ بات انبیاء سے مخصوص ہے کہ ان کا کوئی وراث نہیں ہوتا جیسا کہ "نحن معاشر الانبیاء" کے لفظوں سے بخوبی ظاہر ہو رہا ہے کہ جس ترکہ میں عام مومنین کے اقربا وارث ہوتے ہیں اگر ویسا ہی ترکہ نبی کا ہو تو نبی کا کوئی وراث نہ ہوگا۔ عام مومنین کا وہی ترکہ وارثوں کو ملتا ہے جو اس کی ملکیت ہوتا ہے۔ اگر فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت ہی نہ تھا تو یہ حدیث خود بخود بے معنی ہو گئی۔ اس صورت میں بالکل صریح یہ جواب دیا جا سکتا تھا کہ بنت رسول ﷺ! موقوفہ میں کب کوئی کسی کا وارث ہوتا ہے؟ فدک تو جائداد موقوفہ ہے۔ اس میں وراثت کیسی؟ لیکن حدیث "نحن معاشر الانبیاء" کو پیش کر کے انبیاء کی اس خصوصیت کو پیش کرنا کہ ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا صاف بتا رہا ہے کہ حاکم وقت اور ان کے مشیر کو فدک کے مملوکہ رسول ﷺ ہونے سے انکار نہیں ہے۔ ان کا موقف تو صرف یہ ہے کہ نبی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی چیز کا مالک ہونے کے باوجود اپنے بعد کسی کو وارث نہیں بناتا۔ مجھے انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جو بات صحابہ کبار اور سیدہ طاہرہ

علیہا السلام کے مدمقابل کو بھی نہیں سوجھی وہ بات پس از مدت دراز

مشتے کہ بعد از جنگ بیاد آید

کے طور پر یاد آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم ہر مسئلہ کی تفصیل کی ذمہ داری نہیں لیتا لیکن اتمام حجت کے لئے اس نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو واضح کیا ہے۔ قرآن کریم نے پورے طور پر یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء کے متروکہ میں وراثت یقیناً جاری ہوتی ہے۔ جس کو ہم بیان کر چکے۔ اب قرآن کریم سے فدک کا مملوکہ رسول ﷺ ہونا دیکھئے۔

ازروئے قرآن فدک مملوکہ رسول ﷺ تھا

یہ ظاہر ہے کہ بانی اسلام اور دین اسلام کو کم و بیش جو بھی علاقہ ملا وہ کفار ہی کے قبضہ سے برآمد ہو کر ملا۔ یعنی کفار ہی سے حاصل ہوا۔ اس کے حصول کے دو طریقے رہے ایک یہ کہ مسلمانوں کی کفار سے جنگ ہوئی اور جہاد و قتال سے وہ علاقہ فتح ہوا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کفار نے جہاد اسلامی سے مرعوب ہو کر بغیر جہاد و قتال کے اپنا کوئی علاقہ مصالحانہ انداز میں خود سرکار کو پیش کر دیا۔ قرآن کریم نے ان دونوں صورتوں کے احکام الگ الگ بیان کئے اور نام بھی ان دونوں طریقوں کے الگ الگ رکھے۔ جو چیز یا جو علاقہ مسلمانوں نے قتال کر کے حاصل کیا اس کا نام غنیمت قرار پایا اور اس میں پانچواں حصہ رسول اور آل رسول کا قرار دیا گیا۔ جو علاقہ بغیر جنگ و جدال کے حاصل ہوا اس کو انفال اور فے کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا وہ کل کا کل رسول کی ملکیت کاملہ قرار دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ اس میں رسول اور اقربائے رسول کے سوا عامتہ المسلمین کا کوئی حق نہیں۔ پہلی صورت کا ذکر دسویں پارہ کی پہلی آیت

میں ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل ان کنتم امنتم باللّٰہ۔ (۸:۴۱)

یعنی جان لو کہ جو چیز بھی تم لوگ بطور غنیمت پاؤ اس کا پانچواں حصہ اللہ کا اور رسول کا اور رسول کے اقربا کا اور ان کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ باقی چار حصوں کا موجودہ ترتیب قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ ظاہر بظاہر ہونا چاہیئے تھا لیکن قرآن کریم کی موجودہ ترتیب چونکہ مطابق تنزیل نہیں ہے اس لئے تسلسل آیات میں فرق آگیا ہے اور کہیں کی آیت کہیں ہو گئی ہے۔ باقی ماندہ چار حصوں کا ذکر کہ وہ کس کس کے لئے ہیں، یہاں تو نہیں پایا جاتا البتہ سورہ حشر میں ملتا ہے۔

للفقراء المہاجرین الذین .... الخ (۸:۵۹)

یہاں یہ تصریح ہو رہی ہے کہ خمس کے بعد چار حصے مہاجرین، انصار اور ان کے بعد زمرہ مسلمین میں داخل ہونے والوں کے لئے ہیں۔ یہ ذکر تو مکمل اس مال کا ہوا جو مسلمانوں نے جنگ کر کے حاصل کیا اسی وجہ سے قرآن کریم نے "غنمتم" کہہ کر اس کو مسلمانوں کا حاصل کردہ مال بتایا یعنی مسلمانو یہ مال تم نے حاصل کیا۔ اب رہا وہ علاقہ جو بغیر جنگ و قتال کے کفار نے خود پیش کیا اس کو غنیمت نہیں کہا گیا نہ اس کے حصول کی نسبت مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ مسلمانو! یہ تم نے حاصل کیا ہے بلکہ قرآن کریم میں اس کے بارہ میں یہ ارشاد ہوا

ما افاء اللّٰہ علی رسولہ ..... الخ

یعنی یہ وہ شے ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دلائی ہے اسی وجہ سے اس کو انفال اور فے کہا گیا ہے۔ انفال جمع ہے نفل کی اور نفل کہتے ہیں عطا کردہ اور ہبہ کردہ چیز کو جو ایک طرح سے مد زائد میں ہو۔ ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ مال غنیمت میں رسول ﷺ اور آل رسول علیہم السلام کا صرف پانچواں حصہ ہے لیکن انفال کے بارہ میں سورہ انفال کی پہلی آیت پڑھ کر دیکھئے

یسئلونک عن الانفال

اے رسول ﷺ! تم سے مسلمان انفال کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس کا حق ہے اس جملہ کو آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس طرح پڑھا ہے۔

یسئلونک الانفال

یعنی اے رسول ﷺ! مسلمان تم سے انفال بھی مانگتے ہیں بہر حال اب قدرت کا صریحی جواب سنیے۔

قل الانفال للّٰه والرسول فاتقوا اللّٰه واصلحوا ذات بینکم و اطیعواللّٰه و رسوله ان کنتم مومنین. (۸:۱)

اے رسول ﷺ! کہدو کہ انفال صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی چیز ہیں تم لوگ خدا سے ڈرو، اپنی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

مال غنیمت میں جب پانچواں حصہ رسول اور ان کے اقربا کا بیان کیا تھا وہاں بھی یہی الفاظ تھے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو اور یہاں انفال کو بحصہ رسول ﷺ کی ملکیت قرار دے کر وہی الفاظ فرمائے کہ اگر تم مومن ہو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن کریم کی اس صراحت صریحہ کے بعد

کہ انفال صرف اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ہے، یہ کہنے کی ہمت کیسے ہوتی ہے کہ رسول ﷺ اس کے مالک نہ تھے۔ کسی کی حمایت کے جذبہ میں اللہ، رسول، قرآن اور اہل بیت علیہم السلام، ہر چیز کو پس پشت ڈال دینا کہاں تک درست ہے۔ دنیا کے اصول تمدن اور نظام سلطنت کو اصول الٰہیہ اور آیات قرآنیہ کا مدمقابل قرار دینا، یہ کہاں کی دینداری ہے۔ آیات قرآنیہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگوں نے عہد رسول میں بھی یہ اعتراض کیا تھا کہ انفال اور فے جو بغیر جنگ کے حاصل ہوئے ہیں ان میں ہمارا حق کیوں نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب خداوند عالم نے قرآن کریم میں دیا اور فرمایا

وما افاءالله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء۔ (۶:۵۹)

یعنی جو جائیداد اللہ نے اپنے رسول کو کفار سے دلائی ہے اس پر تم نے چڑھائی نہیں کی تھی تم نے اس پر اپنے گھوڑے، اونٹ نہیں دوڑائے تھے (اس میں تمہارا حق کیوں ہو) یہ تو اللہ کا کرنا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

والله علی کل شئی قدیر

اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے

ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔ وما اتا کم الرسو فخذوه وما نهاکم عنه فانتهو واتقوا الله. ان الل

شدیدالعقاب۔ (۵۹:۷)
یعنی گاؤں والوں سے جو جائیداد بغیر جنگ کے اللہ نے اپنے رسول کو دلائی ہے پس وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور رسول کے قرابت داروں اور اُن کے گھرانہ کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ دولت تمہارے مالداروں میں گھومتی نہ رہے اور دیکھو جو چیز تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکیں اس سے الگ تھلگ رہو اور خدا سے ڈرو یقیناً اللہ کی سزا بڑی سخت ہوتی ہے۔

اس آیت کو دسویں پارہ کی ابتدائی آیات سے ملائیے مال غنیمت میں پانچواں حصہ رسول اور اقرباء رسول کا جن الفاظ میں متعین کیا گیا ہے۔ یہاں مال فے میں کُل کا کُل حصہ بالکل انہی الفاظ میں صرف ان ہی حضرات کا معین کیا گیا ہے اور یہ امر فریقین میں مسلم ہے کہ خمس کے سلسلہ میں ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل صرف خاندان رسالت کے افراد کو کہا گیا ہے۔ جس طرح مال غنیت کے پانچویں حصہ میں چھ نام لیے گئے ہیں اللہ۔ رسول۔ ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ۔ مساکین۔ ابن السبیل۔ اسی طرح یہی چھ نام مال فے (جو بغیر جہاد کے ملے) میں لئے گئے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ غنیمت میں اُن کا حصہ ہے (یعنی پانچواں) اور فے کُل کا کُل ان کا ہے پھر یہ تنبیہ صاف صاف کی جارہی ہے کہ مسلمانو! صرف وہ چیز لو جو رسول ﷺ تم کو دیں اور جس چیز کے بارہ میں وہ تم کو بے تعلق رکھیں اس سے دور رہو۔ اور اللہ کے سخت عذاب سے بچو۔ قرآن، تفسیر، سیرت اور تاریخ کا یہ پہلو فریقین میں مسلم اور بے اختلاف ہے کہ فدک (گاؤں) یہودیوں کی طرف سے بغیر کسی حرب و ضرب کے حاصل ہوا تھا۔ اس لیے وہ خالصتاً رسول ﷺ کی ملکیت قرار پایا اس

میں اقرباء رسول ﷺ کے سوا عامۃ المسلمین کا کوئی حق نہ تھا۔ قرآنی شواہد صاف و صریح موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر نے بھی فدک کو مملوکہ رسول ﷺ تسلیم کیا۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت نے بھی اس کے مملوکہ رسول ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ ملکیت رسول تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا کہ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ انبیاء کی یہ خصوصیت تو اسی حالت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ اپنی زندگی میں تو مالک کامل ہوں لیکن ان کے نبی ہونے کی وجہ سے ان کے بعد وہ ملکیت وراثت نہ بنے بلکہ صدقہ قرار پائے اگر حضرات شیخین کے نزدیک فدک مملوکہ رسول ہی نہ تھا تو جواب میں اس حدیث کا پیش کرنا قطعاً غلط تھا کیونکہ مرنے والا اگر اپنی زندگی میں خود ہی کسی چیز کا مالک نہ تھا تو اس کی اولاد کو وہ چیز کیسے مل سکتی ہے یہاں عدم وراثت کا سبب مرنے والے کا نبی ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مالک نہ ہونا ہوگا۔

اگر حکومت کے نزدیک فدک رسول کی ذاتی چیز ہی نہ تھی تو سیدہ طاہرہ کے اس دعویٰ پر کہ میرے باپ نے فدک مجھے ہبہ کیا تھا ہبہ کے گواہ کیوں طلب کئے گئے اور گواہوں کو ناکافی کیوں قرار دیا گیا۔ پھر سیدہ کے دعویٰ وراثت پر انبیاء کی یہ خصوصی کیفیت کیوں بیان کی گئی کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا اس صورت میں تو یہ تمام باتیں بالکل غلط ہوئیں صحیح جواب تو یہ تھا کہ بنت رسول! ہبہ ہو یا وراثت یہ تو اس وقت ممکن ہے کہ جب مورث کسی

چیز کا مالک ہو فدک تو رسول کی ملکیت ہی نہ تھا۔ لیکن یہ ہرگز نہیں کہا گیا بلکہ قضیۂ فدک کا فیصلہ جو کچھ بھی کیا گیا مملوکہ رسول ﷺ مان کر کیا گیا۔ فدک مملوکہ رسولؐ نہ تھا یہ بات پیران طریقت کی جانب سے نہیں بلکہ مریدوں کی اختراع ہے۔ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کا مضمون ہے۔

فدک کے قضیہ میں ہمارے برادران دو رخی اختیار کر رہے ہیں۔

یعنی کبھی یہ کہتے ہیں کہ فدک مملوکہ رسول ہی نہ تھا تو وراثت کیسے جاری ہوئی۔ دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں رخ ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں کیوں کہ اگر وہ مملوکہ رسول نہ تھا تو انبیاء کی خصوصیت کا کوئی سوال نہ رہا۔ یہ تو ہر مرنے والے کے لئے ہے کہ جو چیز اس کی ملکیت نہیں اس میں اس کے اقرباء کے لئے وراثت کیسی؟ وہ چاہے نبی ہو یا غیر نبی اور اگر عدم توریث محض نبی ہونے کی وجہ سے ہو تو ملکیت نبی ہونے سے انکار غلط۔

حقیقتاً یہ دو رخی اس لئے اختیار کی جا رہی ہے کہ مقابل کو ہر ایک رخ کمزور محسوس ہو رہا ہے۔ اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی ڈھب سے بات بن جائے۔ لیکن یہاں بات بننے کے بجائے بگڑتی ہی جا رہی ہے کیوں؟

قرآن کریم نے ہر رخ کو غلط اور باطل قرار دے دیا

قرآن کریم نے انبیاء کا نام لے لے کر ان کی اولاد کو وارث بنا دیا۔ پھر کلیہ پیش کر کے نبی اور غیر نبی ہر متوفی کی وراثت کو بیان کر دیا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون. (۳۳:۴)

ماں باپ اور اقرباء کسی کے بھی ہوں ہم نے ہر مرنے والے کے وارث قرار دیئے۔ اس لفظ کل میں نبی اور غیر نبی سب آ گئے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب رہا فدک کا مملوکہ رسول ہونا، اس کی بھی قرآن نے جابجا تصریح کر دی اور بتا دیا کہ انفال صرف خدا اور رسول کے لئے ہیں نیز فرما دیا کہ گاؤں والوں سے جو زمین ہم نے اپنے رسول کو دلائی ہے اس پر چونکہ تم نے کوئی چڑھائی نہیں کی اس لئے وہ صرف رسول کی چیز ہے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ تمہارا حق تو اس شئے میں ہے جس کو تم نے لڑ بھڑ کر حاصل کیا ہو اور اس قتال میں بھی چونکہ رسول اور آل رسول کے مساعی اور کارہائے نمایاں تم سے بہت زیادہ ہیں اس لئے مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان سے مخصوص ہے۔

فدک کے مملوکہ رسول ہونے کی ایک اور واضح دلیل

یہ تو ظاہر ہے کہ مفتوحہ علاقے ہوں یا صلح سے حاصل کئے گئے ہوں وہ سب علاقے نبی ہی کے زیر انتظام آئے اگر ان دونوں قسم کے علاقوں کی حیثیت ایک تھی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی علاقہ کے مالک کامل نہ تھے اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں قسم کے علاقوں کے محض متولی تھے اور فدک کی حیثیت دوسرے علاقوں سے مختلف نہ تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ معصومہ علیہا السلام

نے پوری ریاست اسلامیہ سے قطع نظر کر کے صرف ایک گاؤں (فدک) پر اپنا حق منحصر کیا اور دوسرے بلاد و امصار پر جو ایک پورا ملک تھا کیوں دعویٰ نہ کیا۔ اس کے علاوہ فدک کے بارہ میں قرآن مجید نے یہ کہہ کر "مسلمانو! گاؤں والوں سے جو شے ہم نے اپنے رسول کو دلائی ہے اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ" اس مخصوص علاقہ کی کون سی تخصیصی حیثیت ظاہر کی؟ اگر قرآن کریم کے ان الفاظ کے بعد بھی نبی ﷺ اس علاقہ فدک کے متولی ہی رہے تو متولی تو سرکار ﷺ ان علاقوں کے بھی تھے جو جہاد سے حاصل ہوئے تھے۔ فدک کی حیثیت میں کیا تخصیص ہوئی؟

فدک کو خود حضرات شیخین نے اور ان کے بعد تمام علماء اہلسنت نے خالصہ رسول ﷺ تسلیم کیا ہے۔

الفاروق میں علامہ شبلی نے خود بھی فدک کو خالصہ رسول ﷺ تسلیم کیا ہے اور حضرت عمر کا بھی یہ قول لکھا ہے۔

فكانت خالصة لرسول اللّٰہ

یعنی حضرت عمر نے فرمایا کہ فدک خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تھا پھر فرماتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر اس آیت کی بنا پر

ماافاء اللّٰہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ ..... الخ

فدک وغیرہ کو آنحضرت ﷺ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔

یہ بات کس قدر افسوسناک اور متضاد ہے کہ فدک رسول ﷺ کا خالصہ

بھی تھا مگر رسول ﷺ کی ملکیت نہ تھا۔ اگر خالصہ تھا تو ملکیت کیوں نہ تھا اور اگر ملکیت نہ تھا تو خالصہ کیوں تھا۔

اس کے بعد علامہ شبلی فرماتے ہیں "حضرت عمر باوجود اس کے کہ فدک کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت ﷺ کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے جس میں وراثت جاری ہو اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی یہ وجہ بتائی"۔

علامہ موصوف کی عبارت بالا سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات شیخین نے فاطمہ زہرا علیہا السلام کو حق دار فدک نہ قرار دینے کے بعد فدک پر اپنے اپنے زمانہ خلافت میں خود اپنا تصرف رکھا۔ اور یہ تجویز کیا کہ جس طرح آنحضور ﷺ فدک کی آمدنی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے بالکل اسی طرح کا حق ہمیں بھی ہے کہ ہم بھی اس کی آمدنی کو اپنے ذاتی مصارف اور خانگی اخراجات میں لائیں کیونکہ ہم نبی ﷺ کے جانشین ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت عمر اور ان کے پیش رو حضرت ابوبکر نے فدک کو خالصہ رسول کہا اور سمجھا بھی مگر کب اور کیوں؟ ایک وقت تو وہ تھا جب فاطمہ زہرا علیہا السلام فدک کے خالصہ رسول ﷺ اور ملکیت رسول ﷺ ہونے کی بنا پر اپنے حق کی دعوے دار تھیں اس وقت فریق ثانی یعنی حکومت وقت نے فدک کو صدقہ قرار دیا تھا۔ اور نبی ﷺ سے یہ قول منسوب کیا تھا کہ ہم انبیاؑ وارث نہیں بناتے

ماترکناه صدقة

ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے لیکن جب فدک کے راستہ سے معصومہ علیہا

علیہا السلام کو ہٹا دیا گیا تو اب وہ رسول ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح خالصۂ رسول ﷺ ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں خالصۂ رسول تھا مگر وہ خالصہ جس میں وراثت جاری نہ ہو بلکہ رسول ﷺ کے بعد تمام حقوق خلیفۂ وقت کی طرف منتقل ہو جائیں گے یہاں تک کہ [illegible] ہو جاتی ہے اور سب لوگ خاموش۔ [illegible]

اس کے بعد علامہ شبلی الفاروق میں فرماتے ہیں "اصل یہ ہے کہ فدک کا مسئلہ ذو جہتین ہو گیا تھا تمام غلط فہمی کا منشا یہ تھا" یعنی علامہ شبلی کے نزدیک باغ فدک کی کوئی ایک واضح صورت نہ تھی کہ آسانی سے یہ کہا جا سکتا کہ وہ رسول ﷺ کی ذاتی ملکیت تھی یا نہ تھی بلکہ فدک کا یہی دو طرفہ پہلو تھا [illegible] ایک رخ یہ بتاتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی ملک خاص تھی اور دوسرا رخ یہ بتاتا ہے کہ سرکار ﷺ اس کے محض متولی تھے لیکن علامہ موصوف سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ دوسرا رخ کہ وہ متولی رسول ﷺ تھا یہ تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ [illegible] ما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم [illegible] الخ (سورۂ حشر) یعنی جو انہیں (فدک) اللہ نے بغیر تمہارے قتال کے اپنے رسول ﷺ کو کفار سے قبضہ دلوایا ہے اس میں تم نے کیا دخل [illegible] تو اللہ جس کو چاہتا ہے [illegible] یہ دوسرا رخ کس آیت اور کس دلیل سے دکھایا؟ قرآن کریم اور علامہ موصوف نے ایک رخ دکھایا ہے یہ دوسرا رخ کیسا؟ حقیقت یہ ہے کہ فدک ذو جہتین نہیں تھا بلکہ [illegible] ذو جہتین [illegible] دوسرا رخ اختیار کر رہے ہیں اور الفاروق میں [illegible] جانب و قصبے عام [illegible] لیکن فدک کو آنحضرت ﷺ نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیا تھا [illegible]

[illegible] علامہ موصوف کا یہ کہنا کہ فدک کو آنحضرت ﷺ نے اپنے مصارف [illegible]

کے لئے مخصوص کر لیا تھا اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم خدا کے بغیر خود اپنی مرضی سے فدک کو اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ ورنہ اللہ کی یہ کوئی قرار داد نہ تھی۔ یہ جملہ رسول ﷺ کے لئے کس قدر توہین آمیز ہے جب کہ قرآن واضح طور پر بتا رہا ہے کہ

قل الانفال لله والرسول

اے رسول ﷺ کہہ دو کہ انفال صرف اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ہیں

ماافاء الله علی رسوله منهم

یہ علاقہ کفار سے اپنے رسول ﷺ کو اللہ نے دلایا ہے۔

اللہ تو بار بار یہ کہے کہ رسول ﷺ کا حق ملکیت ہم نے مقرر اور معین کیا ہے لیکن علامہ صاحب اللہ کا نام نہیں لینا چاہتے۔ بلکہ اس کو رسول ﷺ کا ذاتی فعل قرار دے رہے ہیں یعنی رسول ﷺ کی توہین ہو جائے تو ہو جائے لیکن صحابہ کا تحفظ پورے طور پر رہے حالانکہ صحابہ کا جو بھی مقام ہے وہ رسول ﷺ ہی کی بدولت ہے اور اگر علامہ کو بالفرض تحفظ صحابہ رسول کے تحفظ سے بھی زیادہ عزیز ہے تو صحابیت کے مقام پر ان کو علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کیوں نظر نہیں آ رہے ہیں؟ کیا علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کو اتنی صحابیت بھی حاصل نہیں جتنی کہ دوسرے بزرگوں کو؟ حالاں کہ یہ دونوں ہستیاں وہ ہیں جن کو رسول ﷺ نے پالا، جنہوں نے آنکھ آغوش رسول ﷺ میں کھولی، جن کی زندگی کا کوئی بھی لمحہ کفر و شرک میں نہیں گذرا۔ پھر قضیہ فدک میں صحابہ نواز حضرات کو یہ کیوں نظر نہیں آتا کہ اگر ایک طرف محض صحابہ ہیں تو دوسری طرف وہ ہیں جن پر صحابیت کا کمال ہے اور اس کمال کے ساتھ ساتھ یہ کہ وہ اہل بیت رسول ﷺ ہیں وہ رسول ﷺ کے

انتہائی محبوب اور رسول ﷺ ان کے انتہائی محبوب۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اور قرآن کی صریح آیات سے منہ موڑتے ہوئے یک طرفہ حمایت کیسی؟ صحابہ رسول ﷺ کا احترام اپنی جگہ ہے اور حقائق کا مقام اپنی جگہ۔ میں اپنے اس عقیدہ کا اظہار کر چکا ہوں کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اگر کسی شخص کو محض اس لئے کینہ اور عداوت ہو کہ وہ صحابہ رسول تھے تو ایسا شخص شیعہ اور سنی ہونا تو در کنار مسلمان بھی نہیں۔ لیکن میں ان حضرات صحابہ کو مافوق البشر اور مافوق الفطرت نہیں سمجھتا، وہ تنقید سے بالاتر نہیں ہیں۔ ہاں! بے وجہ عیب جوئی اور بلا مقصد تنقید یقیناً بد خوئی ہے۔ لیکن دینی مسائل کو حل کرنے کے لئے اگر تنقید ناگزیر ہو جائے اور حق و باطل کا تعین اگر تنقید کے بغیر نہ ہو سکے تو وہاں تنقید جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ صحابہ سے ان کی عام بشریت کے اعتبار سے وہ سب کچھ ممکن ہے جو دوسروں سے ممکن ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام سے حسد کیا

برادران یوسف علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے کینہ و حسد مشہور عالم ہے اور مذکورہ قرآن ہے۔ یہ واقعہ ہمیں درس عبرت دینے کے لئے ہی ہے۔ ہم اس واقعہ کے اہم پہلو پیش کرتے ہیں۔

کیا برادران یوسف علیہ السلام کا حسب و نسب ان سے کہیں زیادہ بلند نہ تھا

[illegible] ہے اور سارا یوسف علیہ السلام کی اپنی بلندی [illegible] کی مثال ہے۔ حضرت
یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ ان کی بالائی [illegible] سلسلہ وہ ہیں کہ
ہر ایک نبی اور معصوم [illegible] لوگ نبی کی اولاد نبی [illegible] اور [illegible]
اور نبی کے ساتھ اور نبی کی تربیت میں رہنے والے [illegible] کے عمل کو دیکھنے
والے اور نبی کی [illegible] کو سننے والے [illegible] بلندی اور صحابیت کی
رفعت [illegible] زیادہ بھی کچھ ہو سکتی ہے؟ [illegible]

کیا [illegible] اور ان یوسف علیہ السلام کا [illegible] اور بے دین تھے؟ کیا وہ ایک
واقعہ یوسف علیہ السلام کو چھوڑ کر مستقل طور پر اپنے باپ کے
نافرمان تھے؟ کیا وہ اپنے باپ کے دشمن جانی تھے اور ان کو
باپ کی زندگی عزیز نہ تھی؟ [illegible]

[illegible] سوال قائم کیے ہیں اور ان کا جواب روایات سے
[illegible] یوسف میں جابجا آیات قرآنی
[illegible] کافر اور بے دین ہرگز نہ
[illegible] تھے کہ ان کا کوئی زمانہ
[illegible] چنانچہ جب ان لوگوں نے
[illegible] اپنے باپ [illegible]
چاہی تو جناب یعقوب علیہ السلام نے [illegible]

فرمایا۔

لن ارسله معكم حتى توتون موثقا من الله لتاتننى به. (۶۶:۱۲)

میں اس فرزند کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم اس امر پر اللہ کی ضمانت نہ دو گے کہ تم اس کو واپس لے کر آؤ گے۔

پھر جب ان لوگوں پر بظاہر یہ الزام آتا تھا کہ انہوں نے شاہی ظرف کو چرایا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

تاللہ لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض وما کنا سارقین. (۷۳:۱۲)

یعنی اللہ کی قسم! تم لوگ جانتے ہو کہ ہم اس علاقہ میں برائی کرنے نہ آئے تھے اور نہ ہم چور ہیں۔ دونوں آیتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ماننے والے تھے۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیات کو دیکھیے جن سے ان کی خدا پرستی کا جابجا اظہار ہو رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے حقیقی بھائی کو بظاہر ایک اسیر اور ماخوذ کی حیثیت سے روک لیا تو برادران یوسف علیہ السلام میں سے بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں سے کہا۔

الم تعلموا ان اباکم قد اخذ علیکم موثقاً من الله. (۸۰:۱۲)

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی ضمانت لے کر تم کو پابند کر لیا تھا۔

فلن ابرح الارض حتى ياذن لى ابى او يحكم الله لى

وهو خیرالحاکمین۔ (۸۰:۱۲)

اب میں تو یہاں سے واپسی کے لئے ایک قدم بھی نہ اٹھاؤں گا۔ جب تک میرے باپ مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے حق میں کوئی حکم نہ فرمائے اور اللہ تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ چنانچہ یہ بھائی وہیں ٹھہر گیا۔ دوسرے بھائیوں نے آکر باپ کو یہ واقعہ سنایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔

لاتائیسومن روح اللّٰہ انہ لا یائیس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون۔ (۸۷:۱۲)

تم لوگ رحمت خدا سے مایوس نہ ہو کیوں کہ رحمت خدا سے سوائے کفار کے اور کوئی ناامید نہیں ہوتا۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نزدیک کافر اور بے دین ہرگز نہ تھے۔ یہ لوگ اس عہد کو نہایت سنگین سمجھتے تھے جو خدا کو ضامن بنا کر اپنے باپ سے کر چکے تھے۔ انہیں یہ امید تھی کہ اللہ اس ناگہانی واقعہ میں ہماری بے قصوری کی بذریعہ وحی خبر دے گا۔ وہ اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ خیر الحاکمین ہے۔ آگے چل کر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو بتا دیا کہ میں یوسف علیہ السلام ہوں تب ان بھائیوں نے کہا۔

تاللّٰہ لقد اثرک اللّٰہ علینا وان کنا لخطئین۔ (۹۱:۱۲)

یعنی اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر فضیلت و فوقیت دی در آں حالانکہ ہم یقیناً خطاکار تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے باپ کے پاس آکر کہتے ہیں

یاابانا استغفر لنا ذنوبنا اناکنا خطئین۔ (۹۷:۱۲)

اے ہمارے باپ! آپ علیہ السلام ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کیجیئے کیونکہ ہم یقیناً خطا کار ہیں ان تمام آیات سے برادران یوسف علیہ السلام کے خدا پرست اور دیندار ہونے کا مکمل ثبوت مل رہا ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام اپنی ایک خطا کے علاوہ ہر امر میں اپنے باپ کے فرمانبردار تھے

آیات قرآنی سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام اپنی ایک سنگین غلطی کے علاوہ ہر بات میں اپنے باپ کے فرمانبردار تھے۔

پہلے تو یہ امر واضح ہے کہ یہ لوگ ایک مرتبہ اپنے گھر سے یوسف علیہ السلام کو لے گئے تھے اور دوسری مرتبہ یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی کو۔ لیکن جب بھی کسی کو لے گئے باپ کی اجازت حاصل کر کے، باپ کی مرضی پا کر لے گئے۔ پھر جب ان بھائیوں کو، جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں سخت خطا ہو چکی تھی، جب باپ نے مصر جاتے ہوئے یہ حکم دیا کہ تم لوگ مل کر شہر کے ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا تو قرآنی شہادت ہے کہ یہ لوگ شہر میں باپ کے حکم کے مطابق الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے۔ فرمایا جاتا ہے کہ یہ لوگ شہر میں بالکل اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کو ان کے باپ نے حکم دیا تھا۔

برادران یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے دشمن نہ تھے بلکہ ان کو باپ کی زندگی نہایت عزیز تھی

قرآن مجید صاف بتا رہا ہے کہ ان بھائیوں کو اپنے باپ کی زندگی

نہایت عزیز تھی اور یہ لوگ اپنے باپ کے جان نثار تھے جس وقت بادشاہ مصر نے جو دراصل یوسف علیہ السلام تھے، اپنے حقیقی بھائی کو ایک مجرم کی طرح گرفتار اور ہمیشہ کے لیے بظاہر اسیر کر لیا تو قرآن مجید میں دیکھیے کہ یہ لوگ اس بناء پر کہ باپ پر کیا گزر چکی ہے اور اس بھائی کے اسیر ہو جانے پر کیا گزر جائے گی۔ کس قدر مضطرب ہو گئے اور کس کس طرح بادشاہ مصر (یوسف علیہ السلام) سے اپنے باپ کی انتہائی ضعیفی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہمارا بوڑھا باپ اپنے اس فرزند سے نہایت مانوس ہے۔ ہمارے ضعیف باپ سے اس کی جدائی برداشت نہ ہو سکے گی۔ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ ہم پر اتنا احسان کیجیے کہ آپ اس کو چھوڑ کر اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی کو لے لیں اور ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیں۔

يا ايها العزيز ان له ابا شيخا كبيرا فخذ احدنا مكانه انا نرىك من المحسنين. (۱۲: ۷۸)

یعنی اے عزیز مصر! ہمارے گرفتار و اسیر بھائی کا باپ نہایت ضعیف اور بوڑھا ہے آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیں ہم آپ کو نیک بندوں میں سے پاتے ہیں۔ ناظرین دیکھیں کہ باپ کے لیے اولاد کی غم خواری اور جان نثاری کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ خود بے گناہ ہوتے ہوئے محض باپ کے رنج و ملال کے تصور سے مضطرب ہو کر اپنے باپ کے لیے ہمیشہ کی غلامی اور اسیری تک کے لیے تیار ہیں۔ ان تمام واقعات اور آیات سے جو چیزیں روز روشن کی طرح ثابت ہوئیں وہ یہ ہیں:

۱- برادران یوسف علیہ السلام نسبی اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے کیونکہ ان کے باپ یعقوب علیہ السلام تھے دادا اسحاق اور پر دادا ابراہیم علیہم السلام جلیل

الشان انبیاء خدا تھے۔

۲۔ برادران یوسف علیہ السلام پیدائشی مومن، خدا اور انبیاء خدا کے ماننے والے تھے جس کا ثبوت سورہ یوسف کی آیات سے برابر ملتا چلا جاتا ہے۔ سورہ یوسف کے علاوہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۳۳ بھی دیکھیے۔

اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالو نعبد الهک واله ابائک ابراهیم واسماعیل و اسحاق الها واحدا ونحن له مسلمون

یعنی جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے آباؤاجداد ابراہیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کے معبود کی ہی عبادت کریں گے جو یکتا معبود ہے اور ہم اب بھی اسی کے ماننے والے ہیں۔ برادران یوسف علیہ السلام کی مومنیت کی ہر جگہ قرآن کریم شہادت دیتے رہا ہے پھر یہ لوگ ایسے مومن نہیں جن کا کوئی بھی وقت کفر و شرک میں گزرا ہو۔

۳۔ برادران یوسف علیہ السلام اروزاول سے نبی کی تربیت اور نبی کی صحبت میں رہے۔ اس سے زیادہ صحابیت نبی کا درجہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

۴۔ برادران یوسف علیہ السلام کی طرف ایک غلطی کے علاوہ قرآن کریم نے ان کے کسی کردار و گفتار پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کے کردار و گفتار کی تصدیق فرمائی ہے۔

۵۔ سوائے ایک غلطی کے ان کو اپنے قول و اقرار کا ہر جگہ پاس اور لحاظ تھا اور وہ اپنی اس ایک غلطی پر نادم تھے۔

۶۔ سوائے ایک غلطی کے وہ اپنے باپ کے ہر حکم کے فرمانبردار

تھے۔

۷۔ وہ اپنے باپ کی زندگی اور ان کی جان کی سلامتی کو اس درجہ عزیز رکھتے تھے کہ اپنے باپ کو مزید صدمہ سے بچانے کے لیے خود ناکردہ گناہ ہوتے ہوئے اپنی قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔

۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کی قربانی کو یعنی برادر یوسف علیہ السلام کی جگہ ان کی غلامی کو قبول نہ کیا تو بڑے بھائی نے طے کر لیا کہ میں اس وقت تک اپنے باپ کو منہ نہ دکھاؤں گا جب تک ہمارے لیے وحی الٰہی نازل نہ ہو اور ہماری بے قصوری پر ارشاد الٰہی کی مہر ثبت نہ ہو۔

۹۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں، ان کو مجرم جانتے ہوئے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان سے ایسی محبت تھی کہ نظر بد سے بچانے کے لیے ان کو شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونے کا باپ نے حکم دیا اور ان لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

۱۰۔ انہوں نے باپ سے التجا کی کہ آپ علیہ السلام بارگاہ خدا میں ہمارے لیے استغفار کریں۔ ہم خطار کار ہیں۔ چنانچہ ان کے مومن و دنیدار ہونے کی بنا پر ان کا جرم بخشا گیا۔

لیکن برادران یوسف علیہ السلام سے دینی، ایمانی اور اخلاقی شرف کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں جو عمل ہوا وہ یقیناً حاسدانہ اور معاندانہ تھا۔ حسد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے ان کو ایسا اندھا کر دیا تھا کہ نہ ان کی نظر اللہ کی ناراضی پر رہی نہ ماں باپ کے دکھ درد پر رہی۔ نہ وہ یہ دیکھ سکے کہ یوسف علیہ السلام اور برادر یوسف علیہ السلام پر کیا گزرے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حسد بُری بلا ہے اور اس کے شعلے عالی نسب اور

بلند مرتبہ گھرانوں میں بھی بھڑک سکتے ہیں۔
میری خود تو یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ میں بزرگوں اور اسلاف کے بارہ میں یہ کہہ سکوں کہ انہوں نے مسئلہ فدک میں علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام سے حاسدانہ برتاؤ کیا۔ لیکن ایک طرف تو آیت قرآنی اگر صراحتاً نہیں تو اشارۃً حاسدانہ برتاؤ کا ذکر کر رہی ہے۔

ام يحسدون الناس على ما اتاهم الله من فضله فقد اتينا ال ابراهيم الكتاب والحكمة واتيناهم ملكا عظيماً. (۴: ۵۴)

یعنی کیا وہ لوگ حسد رکھتے ہیں ان لوگوں پر جن کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔ یقیناً آل ابراہیم علیہ السلام کو کتاب اور حکمت ہم نے دی ہے اور ان کو ملک عظیم ہم نے دیا ہے۔ دوسری طرف خود حضرت عمر فرمارہے ہیں حضرت ابن عباس سے جو علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ابن عم اور طرفدار ہیں اور بنی ہاشم سے ہیں کہ اے عبداللہ ابن عباس! تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت ہم پر ظلم اور حسد کر کے چھین لی۔

حضرت ابن عباس اس کے جواب میں صاف طور پر کہتے ہیں کہ بیشک ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ہم پر ظلم اور حسد کیا گیا ہے۔ میں یہ مکالمہ کسی شیعہ کتاب سے نہیں لکھ رہا ہوں۔ اس مکالمہ کو علامہ شبلی نے الفاروق میں صفحہ ۱۴۴،۱۴۵ پر اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ: کیوں عبداللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسد اور ظلم سے چھین لی ہے۔

عبداللہ بن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً، تو اس میں تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے

حضرت عمر: افسوس! بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائینگے۔ (۶: ۷۵)

عبداللہ بن عباس: ایسی بات نہ کہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔

حضرت عمر: اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس: بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۲) الفاروق ۱۲۵

چونکہ علامہ شبلی نے اس مکالمہ کو لکھ کر تاریخ طبری کے دیکھنے کے لیے فرمایا ہے اس لیے ہم تاریخ طبری کی عبارت بھی نقل کر دیتے ہیں

حضرت عمر: یا ابن عباس اتدری ما منع قومکم منهم بعد محمد

یعنی حضرت عمر نے فرمایا کہ ابن عباس! تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس بات نے امر خلافت سے محروم رکھا، کیا تم یہ جانتے ہو؟

حضرت ابن عباس: فکرهت ان اجیبه فقلت ان لم اکن ادری فامیر المومنین یدرینی

میں نے از خود اس کا جواب دینا پسند نہ کیا اور میں نے کہا اگر میں نہیں

جانتا تو امیر المومنین آپ بتا دیں۔

حضرت عمر: کرهوا ان یجمعوا لکم النبوة والخلافة فتبجحوا على قومكم بجحا بجحا فاختارت قريش لانفسها فاصابت و وفقت

لوگوں نے اس بات سے کراہت کی کہ وہ تم میں نبوت اور خلافت دونوں کو جمع کر دیں اور تم اس پر خوش ہو کر اتراتے پھرو پس قریش نے اپنے لیے حضرت ابوبکر کو چن لیا اور ٹھیک ٹھیک چنا۔

حضرت ابن عباسؓ: یا امیرالمومنین ان تاذن لی فی الکلام وتمط عنی الغضب تکلمت

اے امیر المومنین! اگر آپ کی اجازت ہو اور آپ مجھ پر غضبناک نہ ہوں تو میں بھی کچھ کہوں۔

حضرت عمر: تکلم یابن عباس

ابن عباس کہو کیا کہتے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ: اما قولک یا امیرالمومنین اختارت قریش لانفسها فاصابت و وفقت فلو ان قریشا اختارت لانفسها حیث اختار الله عزوجل لکان الصواب بیدها

امیر المومنین آپ کا یہ فرمانا کہ قریش نے خلافت کے لیے ٹھیک ٹھیک چن لیا (غلط ہے) البتہ اگر قریش اپنی قیادت کے لیے اس کو چنتے جس کو خدا نے چنا تھا تو یہ ان کے لیے ٹھیک ہوتا۔

واما قولک أنهم كرهوا ان تكون لنا النبوته والخلافة فان

الله عزوجل وصف قوما بالکراهة فقال الله تعالیٰ کرهوا ما انزل الله فاحبط اعمالهم.

اور امیرالمنین آپ کا یہ فرمانا کہ قریش نے اس کو مکروہ جانا کہ ہمارے لیے نبوت اور خلافت دونوں جمع ہو جائیں تو اللہ عزوجل نے قوم کی اس کراہت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

ترجمہ آیت: ان لوگوں نے اللہ کی نازل کردہ شے سے کراہت کی تو ان کے اعمال اکارت گئے۔

حضرت عمرؓ: ہیہات واللہ یابن عباس قد کانت تبلغنی عنک اشیاء کنت اکره ان افمرک منها فتنزل منزلتک منی

افسوس! ابن عباس تمہاری طرف سے مجھے ایسی باتیں پہنچتی رہتی ہیں کہ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ میں ان کی کرید کروں اور اس سے تم میری نگاہ سے گر جاؤ۔

عبدالله بن عباس : وما هي یا امیر المومنین.

امیر المومنین وہ باتیں جو آپ تک پہنچتی رہیں کیا ہیں۔

فان کانت حقا فما ینبغی ان فتزیل منزلتی منک

اگر میری کہی ہوئی وہ باتیں حق ہیں تو وہ میری منزلت کے ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت عمرؓ: بلغنی انک تقول انماصرفوها عنا حسداً وظلماً.

مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہم سے ظلم اور حسد کر کے اپنی

طرف پھیرلی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ: امّا قولک یا امیرالمومنین ظلما فقد تبین للجاهل والعلیم واما قولک حسداً فان ابلیس حسد ادم فنحن ولده المحسودون.

امیرالمومنین ظلم کی بات تو ہر نادان اور ہر دانا پر خود بخود روشن ہے۔ رہا حسد، تو ابلیس نے آدم کی خلافت پر حسد کیا تھا اسی طرح ہم بھی اسی آدم کے وہ فرزند ہیں جن پر حسد کیا گیا۔

حضرت عمرؓ: ہیهات فابت واللّٰه قلوبکم یا بنی ہاشم الا حسدا ما یحول و ضغناً ما یزول.

افسوس اے بنی ہاشم! تمہارے دلوں سے حسد اور کینہ کسی طرح نکل نہیں سکتا۔

ابن عباسؓ: مهلا یا امیرالمومنین لا تصف قلوب قوم اذهب اللّٰه عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا بالحسد والضغن فان قلب رسول اللّٰه من قلوب بنی ہاشم.

بس امیرالمومنین بس۔ آپ قوم کو حسد اور کینہ سے نسبت نہ دیجئے جن سے اللہ نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انتہائی پاک و پاکیزہ قرار دیا ہے۔ خود رسول ﷺ کا دل بھی بنی ہاشم ہی کے دلوں میں سے ہے۔

حضرت عمرؓ: الیک عنّی یا بن عباس.

ابن عباس جاؤ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس: افعل.

اچھا جاتا ہوں۔

فلما ذهبت لا قوم استحيا منى فقال. [illegible]

جب میں اٹھ کر جانے لگا تو حضرت عمرؓ نے شرمندہ ہو کر [illegible]

[illegible]

حضرت عمرؓ: یا ابن عباس [illegible]

[illegible]

[illegible]

خوشی کا طالب رہوں گا۔ [illegible]

عبد اللہ ابن عباس [illegible] علیک حقا و علی کل مسلم

فمن حفظه فحظه اصاب ومن اضاعه فحظه اخطأ [illegible]

[illegible] مسلمان پر حق ہے جس نے اس حق کی حفاظت کی [illegible]

نے راہ صواب اختیار کی۔ اور جس نے اس حق کو ضائع کیا وہ راہ صواب سے

بھٹک گیا۔ [illegible]

[illegible] جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان ہوا

جس کو علامہ شبلی نے مختصر الفاروق میں بیان کیا ہے تاریخ طبری میں مفصل

طور پر لکھا ہے [illegible] علامہ شبلی [illegible] تاریخ

طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر [illegible] پوری عبارت نقل کر دی [illegible]

طبری اور تاریخ کامل سے [illegible] نقل کیا [illegible]

ذیل امور واضح ہوتے ہیں [illegible]

[illegible]

۱۔ خاندان رسالت کا اس بات پر اتفاق تھا کہ حق خلافت صرف علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لیے ہے اور ہمارے خاندان کا یہ حق ظلم اور حسد کی بناء پر چھین لیا گیا ہے۔

۲۔ حضرت عمر کو اس کا علم تھا کہ بنی ہاشم ہمیں ظالم اور حاسد سمجھتے ہیں۔

۳۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا انتخاب صرف قریش نے کیا تھا۔ اس انتخاب میں انصار مدینہ کا عموماً کوئی ہاتھ نہ تھا۔ حضرت عمر نے صاف طور پر فرمایا۔

فاختارت قريش لا نفسها.

قریش نے اپنے لیے چن لیا۔

۴۔ خاندان رسالت اور حضرات شیخین کے درمیان انتہائی خلش تھی اور اس حد تک تھی کہ ہر فریق دوسرے کو حاسد اور کینہ ور سمجھتا تھا اور کہتا تھا۔

۵۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کو پہلے سے علم تھا کہ بنی ہاشم ہم لوگوں کو ظلم اور حسد سے نسبت دیتے ہیں لیکن انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے اس بارہ میں سوال اس توقع پر کیا تھا کہ ابن عباس میری ہیبت کی وجہ سے میرے سامنے اس کا اقرار نہیں کر سکتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی توقع کے خلاف حضرت ابن عباس نے اس کا اظہار کر دیا کہ ہاں ہمارا فیصلہ یہی ہے اور ہم یہی سمجھتے ہیں جس پر حضرت عمرؓ کے مشتعل اور غضبناک ہونے کا محل پیدا ہو گیا۔ لیکن ان کے مشتعل ہونے پر بھی حضرت ابن عباس اُٹھ کر چلے جانا قبول کیا مگر اپنی بات سے نہیں ہٹے اور کہی ہوئی بات کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔

فدک جناب سیدہ علیہا السلام سے کیوں لیا گیا اور دلائل صریحہ کے باوجود ان کے حق میں واگزار کیوں نہ کیا گیا؟

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اصول تمدن اور نظام سلطنت کا ہر گز پابند نہیں۔ وہ مالک الملک ہے ہر چیز اس کی ہے۔ اس نے فدک کو خالص ملکیت رسول ﷺ قرار دیا جو ہبتہً اور وراثتہً دونوں طرح سے حق مالکانہ سیدہ طاہرہ علیہا السلام قرار پایا۔ قرآن کریم جابجا اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے اور کوئی ایک لفظ قرآنی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام آیات و بینات کے ہوتے ہوئے اور صریح واقعات کے ہوتے ہوئے حکومت وقت کا فیصلہ سیدہ علیہا السلام کے خلاف کیوں ہوا؟ یہ ممکن ہے کہ حقائق کی تہہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے بعض حضرات شیعہ سمجھتے ہوں کہ حضرات شیخین نے فدک پر کسی طمع اور لالچ کی نظر کی اور لالچی بن کر اس پر قبضہ کر لیا لیکن میں اس نظریہ کا قطعاً مخالف ہوں۔

میں حکومت وقت کے ارکان کے بارہ میں یہ خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا کہ یہ حضرات ایسے لالچی ہوں کہ ایک پوری حکومت کے زیر نگیں ہونے کے باوجود وہ ایک گاؤں پر للچائی ہوئی نظر ڈالیں۔ واقعہ کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے گردوپیش اور واقعہ کے سیاق وسباق کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

واقعہ فدک کے اسباب کو معلوم کرنے کے لیے یہ دیکھنا ہو گا کہ اس واقعہ سے پہلے فریقین میں کیا واقعات رونما ہو چکے تھے۔

ہر واقعہ پر گزرے ہوئے حالات کا اثر پڑتا ہے اس لیے یہ دیکھنا ناگزیر ہے کہ قضیہ فدک سے پہلے فریقین میں حالات اور واقعات کی کیا نوعیت پیش آچکی تھی؟ اور واقعات کی اس نوعیت سے قضیہ زیر بحث پر کتنا اور کہاں تک اثر پڑتا ہے۔ قضیہ فدک فریقین میں وہ قضیہ نہیں ہے جس سے باہمی منازعت کی ابتداء ہوئی ہو اور اس قضیہ سے پہلے فریقین کے دل ایک دوسرے سے صاف اور آئینہ بے غبار ہوں بلکہ اس قضیہ سے پہلے پے در پے انتہائی ناخوشگوار واقعات فریقین میں رونما ہو چکے تھے۔ اگر ہم اس طرف سے بھی صرف نظر کر لیں کہ عہد مقدس نبوی میں مابین فریقین کہاں تک ہم آہنگی یا مخالفت تھی اور کہاں تک محبت یا رقابت تھی یا دختران شیخین یعنی حضرت عائشہ و حفصہ اور دوسری طرف علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کے درمیان باہم دگر کس قسم کا برتاؤ ہوتا چلا آرہا تھا تو اس کو صاحبان نظر کی نظر پر چھوڑ کر ہمیں کم از کم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت سے لے کر قضیہ فدک کی روئداد کے قبل تک کے واقعات کو محققانہ نظر سے دیکھنا ہوگا تا کہ ہم یہ دیکھ سکیں کہ اس قضیہ مذکور کے پیش آنے کے وقت فریقین کے دل ایک دوسرے سے کتنے قریب تھے یا کتنے دور ہو چکے تھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کسی ہدایت نامہ کے لکھنے کا ارادہ۔

یہ واقعہ کسی غیر مستند کتاب کا نہیں بلکہ صحیح بخاری تک میں موجود ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی نوشتہ ہدایت کو انجام دینے کے لیے سامان تحریر طلب کیا اور فرمایا کہ وہ تحریر اس لیے کرا رہا ہوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو سکو اس واقعہ کو طبرانی نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی بیان کیا ہے۔

عن عمر لما مرض النبی صلعم قال ادعوا لی لصحیفة ودواته اکتب کتابا لا تضلو بعدی ابد فقال النسوته من وراءالسراه تسمعون ما یقول رسول اللّٰہ فقلت انتن صواحب یوسف اذامرض رسول اللّٰہ عصرتن اعینکن واذ صح رکبتن عنقه فقال رسول اللّٰہ وہو ہن فانہن خیر منکم.

حضرت عمر نے فرمایا کہ جب نبی علیہ السلام بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کاغذ اور دوات دو تو میں تمہارے لیے وہ نوشتہ تحریر کروں جس سے تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ (لیکن اس کی تعمیل نہ ہوتے دیکھ کر) پردہ سے مستورات نے کہا کہ کیا تم لوگ نہیں سن رہے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ رہے ہیں تو میں نے ان مستورات سے کہا کہ تم صواحب یوسف ہو (یعنی فریب دینے والی ہو) تمہارا حال یہ ہے کہ جب نبی علیہ السلام بیمار ہوتے ہیں تو تم ٹسوے (آنسو) بہاتی ہو۔ اور جب نبی علیہ السلام اچھے ہوتے ہیں تم ان کی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان (ازواج نبی) سے تعرض نہ کرو۔ یہ تم سے بہتر ہیں۔ بہرحال اس واقعہ کو صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند امام احمد بن حنبل، شرح شفا قاضی عیاض وغیرہ بہت سی کتابوں نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کے اس فرمان پر حاضرین کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ اس تحریر کے مخالف تھا اور ایک گروہ اس تحریر کے حق میں تھا۔ ان دونوں گروہوں میں تو تو میں میں اور لڑائی جھگڑا ہونے کی نوبت آ گئی تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس یہ لڑائی جھگڑا کرنا سزاوار نہیں ہے۔ یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ اس تحریر کے سخت مخالف تھے۔ مخالفین تحریر کی بات یہاں تک

پہنچ گئی کہ انہوں نے رسول ﷺ کی بات کو بے حواسی اور ہذیان تک قرار دے دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس تحریر کی مخالفت کوئی معمولی اور سطحی مخالفت نہ تھی بلکہ اس پر پوری قوت صرف کی جارہی تھی کہ تحریر عمل میں نہ آئے۔اس تحریر کے مخالفین میں حضرت عمر سب سے آگے تھے۔ علامہ شبلی نے بھی الفاروق میں یہ جملہ تحریر کیا ہے۔ "طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔"

یہاں دو باتیں لائق غور ہیں ایک یہ کہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ دوات اور کاغذ لاؤ تا کہ میں وہ تحریر دے جاؤں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو۔

یہ خطاب نبوی کن لوگوں سے تھا اور اس حکم کی تعمیل کے ذمہ دار کون لوگ تھے؟ بالفاظ دیگر یہ خطاب محض صحابہ سے تھا یا اس خطاب میں حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے افراد اہل بیت علیہم السلام بھی شامل تھے۔ اس کا فیصلہ خود اس حدیث کے الفاظ کر رہے ہیں۔

لن تضلوابعدی ابداً.

یعنی وہ تحریر تم کو ہمیشہ گمراہی سے بچانے والی ہو گی لہذا بخوبی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ خطاب ان سے نہیں ہے جن کے لئے آیت قرآنی اور حدیث نبوی نے طے کر دیا۔

اولئک علیھم صلواۃ من ربھم.

یہ وہ ہیں جن پر ہمیشہ ان کے رب کی طرف سے صلوات ہے جن پر درود بھیجنا نماز کا جز ہے۔ جن کی محبت ایمان اور اجر تبلیغ رسالت ہے جن کے لئے نبوی ارشاد ہے۔

العلی مع القرآن والقرآن مع العلی. العلی مع الحق، والحق

مع العلی. فاطمة بضعته منی من آذاها فقد اذانی من غضبها فقداغضبنی. الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة. علی قسیم النار والجنة.

اہل بیت علیہم السلام کے گمراہ ہونے کا تو امکان کیا ہوتا ان کے لئے نبیؐ کا ارشاد ہے اور یہ ارشاد اس وقت صحابہ کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب خدا اور میرے اہل بیت علیہم السلام۔ ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس حدیث نبوی نے یہ دونوں چیزیں بے نقاب کر دیں کہ گمراہی کا امکان میرے اہلبیت علیہم السلام کے سوا دوسروں کے لئے موجود ہے لیکن اہل بیت علیہم السلام کے لئے یہی نہیں کہ وہ خود کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ بلکہ جو ان سے تمسک رکھے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہو گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا کیا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے اس تحریر کی مخالفت اور مخالفت بھی غیر معمولی اور پوری طاقت سے، بغیر کسی خاص وجہ کے تو نہیں ہو سکتی تھی۔ مخالفت کرنے والے حضرات اپنی جگہ ضرور سمجھ گئے تھے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھیں گے۔ اگر مضمون تحریر سے قطعاً بے خبر ہوتے تو مخالفت کرنے کی بجائے اس تحریر کے دیکھنے اور معلوم کرنے کا انتہائی اشتیاق ہوتا۔ احکام شریعہ جو سب بیان میں آچکے تھے ان کی صریحی مخالفت کا تو کسی سے خطرہ نہ تھا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ مخالفت کا پہلو مسئلہ خلافت ہی کے بارہ میں ہونے کا امکان تھا۔ چنانچہ وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فوری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن ہونے سے پہلے ہی ایسا شدید نزع قرار پایا کہ وہ نزاع بڑھتا ہی چلا گیا اور بالآخر اُمت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کتنے

لوگ تدفین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت سے محروم رہے۔ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کے جلانے کی نوبت آ گئی، علی مرتضیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے ہو گئے، سقیفہ میں مارپیٹ اور کھلنے کھلانے کی نوبت آ گئی اور آگے چل کر یہ مسئلہ خلافت تھا جس پر لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ گیا۔ حاضرین مجلس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوی ارشاد کی اس حقیقت کو یقیناً سمجھ لیا تھا کہ نبوی تحریر میں وہی مسئلہ خلافت آئے گا جو نبوی تقریر میں آ چکا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی لکھیں گے جو کہہ چکے ہیں۔ حدیث ثقلین کا آخری لفظ اور اس حدیث قرطاس کا آخری لفظ بالکل ایک تھا۔ وہاں بھی یہ فرمایا تھا کہ قرآن اور اہل بیت علیہم السلام سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حدیث قرطاس میں بھی یہی آخری جملہ ہے کہ اس نوشتہ کی بدولت کبھی میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ مخالفین تحریر دونوں جگہ یکساں جملہ دیکھ کر باآسانی یہ سمجھ گئے کہ یہ تحریر اہلبیت علیہم السلام کے حق میں ہو گی اور ہمارے خلاف جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ مخالفین کی مخالفت کی بناء پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے یا لکھانے سے مجبور نہیں ہو سکتے تھے پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تحریر لکھ کیوں نہ دی اور موافقین نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ تحریر لکھوا کیوں نہ لی؟ یہ سوال اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہو سکتا ہے لیکن اگر ادنیٰ سا تامل کر کے دیکھا جائے تو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی ہی میں یہ کہہ دیا جائے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ بات ہوش و حواس کی نہیں ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس تحریر کو سند کون قرار دیتا؟ اگر تحریر ہو بھی جاتی تو اس کا فائدہ کیا تھا؟ بڑی آسانی سے کہا جاتا کہ ہم تو اسی وقت کہہ چکے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حواس ہیں یہ بے حواسی کی تحریر کیوں مانی جائے۔

غرض کہ تحریر تو نہ ہو سکی لیکن اہل بیت علیہم السلام اور ان مخصوص صحابہ کے درمیان منافرت و مخالفت کی بنیاد اگر پہلے سے کچھ کمزور بھی تھی تو اب پختہ ہو گئی۔

وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کا انتظار کئے بغیر صحابہ کا اجتماع مسجد نبوی کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا کیوں؟ تاکہ مسئلہ خلافت کو طے کر لیا جائے اس اجتماع کے لئے پہل کس طرف سے ہوئی؟ بعض لوگ انصار کا نام لیتے ہیں اور ان کو طالب خلافت قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیئے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوات و قلم و کاغذ طلب کرنے اور ہدایت نامہ کے لکھنے کے ارادہ پر کسی انصار کا نام مطلقاً نہیں آتا کہ مخالفت کی ہو۔ اس کے علاوہ تاریخ کامل ابن اثیر کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیے۔

فبایعه عمر وبایعه الناس وقالت الانصار وبعض الانصار لانبایع الا علياً.

یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت کی حضرت عمر نے اور دوسرے لوگوں نے لیکن کل انصار نے یا بعض انصار نے کہا کہ ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی کی بیعت نہ کریں گے۔

حقیقتاً انصار مدینہ کو یہ جسارت ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ آپ ہی آپ مسئلہ خلافت کو طے کر لیں۔ خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد کہ خلافت میرے ہی خاندان سے وابستہ رہے گی۔ انصار مدینہ کو علی مرتضیٰ علیہ السلام سے کوئی مخالفت ہی نہ تھی کیونکہ انصار سے تو کوئی جہاد ہوا ہی نہ تھا جو علی علیہ السلام کی تلوار سے ان کو کوئی شکایت ہوتی۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں صرف مکہ کے مسلمانوں نے علی علیہ السلام سے جدال و قتال کا بازار گرم کیا اور آپ علیہ السلام کی خلافت کا تختہ الٹنا چاہا لیکن انصار نے حضرت علی علیہ السلام کی ہر جنگ میں دل کھول کر حمایت کی۔ اس لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ سقیفہ میں انصار پہلے پہنچ

گئے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرات شیخین سقیفہ بنی ساعدہ میں شمولیت کی وجہ سے تدفین رسول ﷺ میں شریک نہ ہو سکے اور حضرت عمر نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کر کے ان کے لئے منصب خلافت قائم کر دیا۔ ان حضرات کی جنازہ رسول ﷺ میں عدم شرکت اور اہل بیت علیہم السلام کی عدم موجودگی میں انعقاد خلافت ایسی چیزیں تھیں جن سے اہل بیت رسول ﷺ کو، جو صاحبان میت تھے، سخت صدمہ پہنچا اور باہمی خلیج منافرت مزید وسیع ہو گئی۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بھی ان دونوں چیزوں کی (عدم شرکت جنازہ نبی ﷺ اور انعقاد خلافت کی) صحابہ سے شکایت کی اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے بھی دروازہ پر آ کر، جب کہ صحابہ باہر کھڑے تھے، فرمایا

فوقفت فاطمة رضى الله عنها على بابها وقالت تركتم رسول الله جنازة بين ايدينا و قطعتم امركم بينكم ولم تروالنا حقاً. (كتاب الامامة والسياته)

یعنی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں نے نعش مقدس رسول ﷺ کو ہمارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور امر خلافت کو باہم طے کر لیا اور یہ مطلقاً نہ دیکھا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اسنی المطالب شمس الدین جزری میں فاطمہ زہرا علیہا السلام کے یہ الفاظ مندرج ہیں۔

ان فاطمة بنت رسول الله قالت انسيتم قول رسول الله يوم غديرخم من كنت مولاه فعلى مولاه و قوله انت منى بمنزلة هارون من موسى

یعنی فاطمہ بنت رسول علیہا السلام نے فرمایا کہ لوگو! کیا تم رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھول گئے ہو؟ جو آپ ﷺ نے غدیر خم پر فرمایا تھا کہ جس

کا میں مولا ہوں پس اس کے علی علیہ السلام مولا ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ یا علی علیہ السلام تم مجھ سے اسی منزلت پر ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

غرض کہ صحابہ مذکورین اور علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کے مابین پے در پے ایسے واقعات ہوتے رہے جو باہمی منافرت اور غم و غصہ کو بڑھا رہے تھے۔ ان سب کے بعد اور قضیۂ فدک سے پہلے جو واقعہ رونما ہوا وہ اپنی جگہ قیامت خیز تھا۔ حضرت ابوبکر کی خلافت تو بیعت عامہ سے قائم ہو چکی تھی۔ اب حضرت عمر کا خلیفہ وقت سے یہ اصرار تھا کہ بنی ہاشم خصوصاً علی علیہ السلام سے بھی بیعت لی جائے اور ان کو بالجبر گرفتار کر کے لایا جائے۔ واقعہ یہ تھا کہ بنی ہاشم اور ان کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت علی علیہ السلام کو منصب خلافت کا حق دار قرار دیتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تاریخ ابوالفداء میں ہے

وخلاجماعة من بنی هاشم الزبیر والمقداد بن عمر و سلمان الفارسی و ابوذر و عمار بن یاسر والبراء بن عازب و غیرهم مالومع علی بن ابی طالب.

یعنی صحابہ کی ایک جماعت جو علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرفدار تھی، بیعت ابی بکر سے کنارہ کش تھی۔ یہ لوگ بنی ہاشم کے علاوہ زبیر، مقداد بن عمر، سلمان فارسی، ابوذر، عمار بن یاسر، برا ابن عازب وغیرہم تھے۔ (تاریخ الفداء)

وغیرہم کے الفاظ سے یہ تو ثابت ہے کہ بیعت سے تخلف کرنے والے اور لوگ بھی تھے مگر کتنے تھے؟ یہاں اس لفظ سے یہ طے نہیں کیا جا سکتا البتہ ہم نے بعض کتب میں ایک کثیر تعداد کے نام دیکھے ہیں مگر یہاں چونکہ مسئلہ خلافت سے کوئی بحث نہیں ہے صرف یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ فدک کے

پیش آنے کے وقت حکومت یا بازوئے حکومت کے دل علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کے لئے کہاں تک صاف یا مکدر تھے۔

حضرت عمر کے اس اصرار پر کہ علی علیہ السلام سے بزور بیعت لی جائے۔ حضرت ابوبکر خاموش تھے اور حضرت عمر کی رائے پر عمل کرنے کو خطرناک سمجھتے تھے۔ ان کو اندازہ تھا کہ علی علیہ السلام ہرگز بیعت نہ کریں گے بلکہ بیعت کرنے کی بجائے خود اپنے لئے حق خلافت ثابت کریں گے۔ لیکن حضرت عمر کی جو شدید رائے تھی اس کے سامنے حضرت ابوبکر کی بات چل نہیں سکتی تھی۔ اگرچہ یہ واقعہ اس قسم کی تمام ہی کتابوں میں مذکور ہے مگر ہم بخوف طوالت صرف مورخ ابن قتیبہ کی تاریخ سے وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس کو تاریخ احمدی نے بیان کیا ہے۔

فاتی عمر ابابکر فقال له الا تاخد هذا المتخلف عنک بالبیعة فقال ابوبکر القنفذا وهو مولی له اذهب فادع بی علیاً فذهب الی علی فقال له ماحاجتک فقال یدعوک خلیفة رسول الله فقال علی لسریع ماکذبتم علی رسول الله فرجع فابلغ الرسالة قال فبکی ابوبکر طویلا فقال عمر الثانیة ان لا تمهل هذا المتخلف عنک بالبیعة فقال ابوبکر رضی الله عنه لقنفذا عد الیه فقل له امیرالمومنین یدعوک لتبایع فجاثه قنفذ فادی ما امر به فرفع علی صوته فقال سبحان الله لقد ادّنی ما لیس له فرجع قنفذ فابلغ الرسالة فبکی ابوبکر طویلا ثم قام عمر و مشی معه جماعة حتی آتوا اباب فاطمة

فدقواالباب فلما سمعت اصواتهم نادت باعلی صوتها باکیة یا ابت یا رسول اللّٰہ ماذالقینا بعدک من ابن ابی قحافة فلما سمع القوم صوتها و بکائها انصرفوا باکین و بقی عمر و معه قوم فخرج علی منی معهم الی ابی بکر فقالو له بایع فقال ان انالم افعل قالوا اذاً واللّٰه الذی لا اله الا هو نضرب عنقک قال اذاً تقتلون عبداللّٰه و اخارسوله قال عمر امّا عبداللّٰه فنعم واما اخورسوله فلا و ابوبکر ساکت لا یتکلم فقال له عمر الاتامرفیه بامرک فقال لااکرهه علی شئی ماکانت فاطمة الی جنبه فلحق علی بقبر رسول اللّٰه یضیح ویبکی و ینادی یابن عمّ ان القوم استضعفونی وکادوا ان یقتلونی۔

یعنی حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ یہ شخص (علی علیہ السلام) جو تمہاری بیعت سے پیچھے ہٹ رہا ہے اس کو کیوں نہیں پکڑتے۔ اس پر ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے فرمایا کہ میرے پاس علی علیہ السلام کو لے آؤ۔ قنفذ علی علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ تم کو خلیفہ رسول اللہ بلاتے ہیں۔ علی علیہ السلام نے کہا کہ تم لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت جلد جھوٹ بولا (کیونکہ خلیفہ رسول اللہ کے معنی ہیں رسول اللہ کا بنایا ہوا جانشین) قنفذ نے واپس جا کر یہ بات پہنچا دی۔ اس پر حضرت ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ حضرت عمر نے دوبارہ کہا کہ اس شخص (علی علیہ السلام) کو، جو تمہاری بیعت نہیں کر رہا ہے، مہلت نہ دو۔ حضرت ابوبکر نے قنفذ سے کہا کہ دوبارہ جاؤ اور علی علیہ السلام سے کہو کہ امیر المومنین تم کو بیعت

کے لئے بلاتے ہیں۔ قنفذ پھر علی علیہ السلام کے پاس آیا اور جو کھلایا گیا کہا تو علی علیہ السلام نے اپنی آواز کو بلند کیا اور کہا کہ سبحان اللہ! ابوبکر نے اپنے لئے اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے سزاوار نہیں۔ قنفذ نے واپس آ کر یہ بات بھی حضرت ابوبکر سے کہہ دی جس پر حضرت ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ پھر حضرت عمر خود کھڑے ہو گئے اور ایک جماعت کے ساتھ یہ لوگ فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ فاطمہ زہرا علیہا السلام نے جب ان لوگوں کی آواز سنی تو نہایت اونچی آواز سے روتے ہوئے پکاریں اے بابا! اے رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم کو ابوقحافہ اور خطاب کے بیٹوں کے ہاتھوں کیا کیا مصیبتیں پہنچ رہی ہیں۔ قوم نے جب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی آواز سنی اور ان کے رونے کی آواز کو سنا تو کچھ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ حضرت عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ اسی طرح کھڑے رہے۔ پس علی علیہ السلام نکلے اور ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر کی طرف چلے تو ان لوگوں نے علی علیہ السلام سے کہا کہ بیعت کرو۔ علی علیہ السلام نے کہا کہ اگر میں ہرگز بیعت نہ کروں تو؟ پس ان لوگوں نے کہا کہ اس صورت میں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ علیہ السلام کی گردن مار دیں گے۔ علی علیہ السلام نے کہا مجھے قتل کرو گے تو تم لوگ ایک بندہ خدا کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی کے قاتل ہو گے۔ اس پر عمر نے کہا کہ تم بندہ خدا تو ہو مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی نہیں ہو (حالانکہ کہ یہ مسلم ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ اور مدینہ میں دونوں مرتبہ بھائی چارہ قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ علی علیہ السلام! تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں۔)

ابوبکر بالکل خاموش تھے اور کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر

نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم اس شخص کے بارے میں اپنا کوئی حکم کیوں نہیں دیتے؟ تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میں علی علیہ السلام کو کسی بات پر اس وقت تک مجبور نہ کروں گا جب تک فاطمہ علیہا السلام موجود ہیں۔ علی علیہ السلام وہاں سے چیخ چیخ کر روتے ہوئے قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے بھائی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قوم نے مجھے ناتواں کر دیا اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔

بات اسی پر ختم نہیں ہوتی۔ قتل کی دھمکی تو آپ سن چکے اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

عقد الفرید (شہاب الدین ابن عبد ربہ اندلسی) اور تاریخ ابوالفداء اور تاریخ طبری (ابوجعفر بن جریر) اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ (ابن قتیبہ دینوری) اور زمانہ حال کی کتاب الفاروق (علامہ شبلی) وغیرہا میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ حضرت عمر آگ اور لکڑیاں لے کر خانۂ سیدہ علیہا السلام پر آئے اور فرمایا کہ تم لوگ یہاں سے نکل کر ابوبکر کی بیعت کرو ورنہ میں اس گھر کو جلا دوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ علیہا السلام بھی ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہوں۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے دروازہ پر آ کر کہا: اے پسر خطاب! کیا تو میرے گھر کو جلانے کے لئے آیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا ہاں۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن یہ مسلم ہے کہ اس مرحلہ پر کسی طرح بھی علی علیہ السلام نے بیعت نہ کی اور یہی کہتے رہے کہ

لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی.

میں تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ البتہ تم کو میری بیعت کرنا چاہیئے۔ قصہ مختصر یہ کہ علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام نے خلافت حضرت ابوبکر کو تسلیم نہ کیا۔ اب

تک فدک کا کوئی قضیہ نہ تھا۔ یہ قضیہ ان تمام واقعات کے بعد پیش آیا جس کی تفصیل ہم آئندہ پیش کریں گے۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ان تمام تلخ ترین واقعات کے بعد فریقین میں باہم دگر منافرت اور غم و غصہ کتنا کا طوفان موج زن ہو گا اور عداوت کی آگ کے شعلے کس قدر مشتعل ہوں گے؟ خصوصاً جس حکومت کو انتہائی تشدد کے باوجود بھی علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام نے تسلیم نہ کیا تھا اس حکومت کے دل میں کتنا شدید جذبہ انتقام ہو گا؟

فدک سے سیدہؑ کی محرومی کا سبب

یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت ابوبکر و عمر نے محض طمع کی بناً پر سیدہ علیہا السلام کو ان کے حق سے محروم کر دیا۔ یہ حضرات ایک پوری مملکت کے حکمران اور شہنشاہ تھے ایک گاؤں کا کیا لالچ کرتے۔ اصل بات یہی ہے کہ علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام نے جب کسی طرح بھی خلافت حضرت ابوبکر کو تسلیم نہ کیا اور علی مرتضیٰ علیہ السلام نے انتہائی تشدد کے باوجود بھی ان کی بیعت نہ کی تو دوسری طرف منتقمانہ جذبہ شدت اختیار کر گیا اور اس جذبہ نے ضبط فدک کی صورت اختیار کر لی۔ چونکہ حکومت اصل سبب کو کھلم کھلا تو بیان نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس کو دوسری ترجیہات کو اختیار کرنا پڑا۔ فیصلہ اس قضیہ کے پیش ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ کیا جا چکا تھا قضیہ کے پیش ہونے کے وقت تو محض مدعیہ علیہا السلام کے دلائل کا کسی نہ کسی طرح تردیدی جواب ہی دینا تھا۔ اگر علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام نے موجودہ خلافت کو تسلیم کر لیا ہوتا تو پھر فدک کا کوئی قضیہ کیوں پیش آتا اور فدک سیدہ علیہا السلام سے کیوں لیا جاتا؟ بلکہ خلافت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں اگر فدک کے علاوہ کچھ اور بھی چاہا جاتا تو یہ حضرات ایسے تنگ دل نہ تھے کہ بنت رسول علیہا السلام کی خواہش کو پورا نہ کرتے۔ اس لئے میرے نزدیک مسئلہ فدک کا مسئلہ خلافت سے قریبی تعلق ہے۔ بنی ہاشم کو مطلقاً کسی عہدہ کا نہ دیا جانا، جس کا علامہ شبلی تک نے الفاروق میں اعتراف کیا ہے اسی بناً پر تھا۔ ورنہ ابوسفیان اور ان کا خاندان جو روز اول سے اسلام اور بانیٔ اسلام کا دشمن جان رہا اور بدر سے لے کر فتح مکہ تک آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبرد آزما رہا اور جب طاقت و ہمت نے بالکل جواب دے دیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائی لڑنے کا دم باقی نہ رہا بالآخر انہوں نے اور انکے خاندان نے کلمہ پڑھ لیا وہ بھی اس حالت میں کہ تلوار سر پر تھی۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی دین اسلام کے بارہ میں سوائے عداوت شدیدہ کے

اور کیا خدمات تھیں؟ ان کی کلمہ گوئی کا زمانہ نبوی زندگی کا بالکل آخری زمانہ تھا۔ لیکن ان لوگوں نے خلافت کو تسلیم کرنے کا فوری انعام پا لیا۔ ابوسفیان کے دونوں بیٹے یزید بن ابی سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان یکے بعد دیگرے پانچ پانچ ہزار دینار ماہوار پر صوبہ شام کے گورنر رہے اور ایسے رہے کہ یزید بن ابی سفیان کے مرنے کے بعد حضرت معاویہ خلیفہ ثانی اور خلیفہ ثالث کے زمانہ میں شام کے مستقل گورنر رہے۔ ان کے ادل بدل کا بھی کوئی سوال نہ آیا۔ ان حالات کو دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام نے اگر خلافت کو تسلیم کر لیا ہوتا تو فدک ان کے قبضے سے نکالا جاتا؟ اب ہم فدک کی حقیقت اور اس کا مختصر واقعہ بیان کرتے ہیں۔

حقیقت فدک اور اس کے متعلق ضروری امور

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کفار کے قبضہ سے حاصل ہونے والے علاقوں کی قرآن مجید نے دو الگ الگ قسمیں قرار دی ہیں ایک وہ جس کو مسلمانوں نے جہاد کر کے فتح کیا دوسرا وہ جو بغیر جنگ کے کفار نے بطور صلح خود بانی اسلام کو پیش کیا۔ مالک الملک نے اسی دوسرے علاقہ کو رسول ﷺ کو ذاتی ملکیت قرار دیا۔ چنانچہ علاقہ فدک جس کو ایک گاؤں کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے بنی نضیر کے یہودیوں نے بغیر جنگ کے پیش کیا اور قرار داد قرآنی سے خالصہ رسول ﷺ قرار پایا۔ اب رسول ﷺ پر وحی الہی نازل ہوئی۔

وآت ذاالقربی حقه.

یعنی اے رسول ﷺ! قرابت دار کو اس کا حق دے دو۔

فدک نبی ﷺ نے فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ کیا

حکم خدا پر سرکار ﷺ نے یہ علاقہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ کر دیا۔

چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر در المنثور میں لکھتے ہیں جس کو ہم تاریخ احمدی سے نقل کر رہے ہیں

والدرالمنثور للسیوطی اخرج البزار وابویعلی و ابن ابی حاتم عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وآت ذاالقربی حقه دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدک و عن ابن عباس قال لما نزلت وآت ذاالقربی حقه اقطع رسول الله فاطمة فدک.

یعنی علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں بیان کیا ہے کہ بزار اور ابویعلی اور ابن حاتم نے ابو سعید خدری صحابی رسول ﷺ نے روایت کی ہے

کہ جب آیہ

آت ذاالقربی حقه

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ علیہا السلام کو فدک دے دیا اور ان کو مستقل طور پر منتقل کر دیا۔

وفات رسول ﷺ تک فدک پر سیدہ علیہا السلام کا قبضہ رہا

تاحیات پیغمبر ﷺ یہ علاقہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت میں جو مکتوب اپنے عامل بصرہ عثمان بن حنیف انصاری کے نام تحریر کیا اس میں امیر المومنین علیہ السلام نے عثمان بن حنیف کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ کبھی زخارف دنیا پر فریفتہ نہ ہونا اور مال دنیا پر حریص نہ ہونا۔ خود اپنی زندگی کے حالات لکھے کہ میں نے کبھی اچھا کھانے کا شوق نہ کیا نہ اچھا پہننے کا، نہ مال دنیا کے جمع کرنے کا نہ کسی مال کو بچا بچا کر رکھنے کا۔ اس سلسلہ میں سرکار امامت نے یہ جملہ تحریر فرمایا۔

بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ماالظلته السماء فشحت علیها نفوس قوم و سخت عنها نفوس قوم آخرین و نعم الحکم الله۔

یعنی ہمارے پاس کبھی کوئی مالی ذخیرہ نہیں رہا۔ البتہ آسمان کی تمام وسعتوں کے نیچے یعنی ساری دنیا میں محض ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا لیکن افراد قوم نے ہمارے حق کے بارے میں بخل اختیار کیا تو ہم نے اس کو بھی اپنی سیر چشمی کی بنا پر خیر باد کہہ دیا (یعنی) اتمام حجت کرنے کے بعد بزور حاصل کرنے کی کوشش نہ کی اس کا بہترین فیصلہ اللہ کرے گا۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے

اس مکتوب کے یہ جملے نہج البلاغہ میں موجود ہیں اور نہج البلاغہ کے کلام علی مرتضیٰ علیہ السلام ہونے کو ثقات علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے اور شارحین لکھی ہیں۔ ان جملوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فدک تاوفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت علیہم السلام کے قبضہ میں تھا۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

واقعات مابعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وفات نبی کے ہوتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین کا انتظار کئے بغیر، سقیفہ کی کاروائی شروع ہو گئی اور قرار داد خلافت کی مصروفیت نے اکابر صحابہ کو دفن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت کا موقع نہ دیا۔ اس نازک اور ضروری موقع پر ایسے قریب تر رہنے والے حضرات کی عدم شرکت پر علماء ملت نے حیرت کا بھی اظہار کیا ہے اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس عدم شرکت کے اسباب کو معقولیت دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے الفاروق میں اپنے مخصوص انداز کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شریک نہ ہونے کی وجوہ بیان کی ہیں۔

تاریخ الخمیس میں بھی اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

فلما فرغ ابوبکر من البیعۃ رجع الی المسجد فقعد علی المنبر فبایعہ الناس حتی امسی و شغلوا عن دفن رسول اللّٰہ.

یعنی جب سقیفہ میں حضرت ابوبکر کو بیعت سے فراغت ہوئی تو مسجد میں آکر منبر پر بیٹھ گئے اور لوگ شام تک ان کی بیعت کرتے رہے اور اس وجہ سے یہ حضرات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن میں شریک نہ ہو سکے۔

کنز العمال (شیخ علی متقی القادری الچشتی) میں بیان کیا گیا ہے۔

ان ابا بکر و عمر رضی اللہ عنہما لم یشہد دفن النبی و کانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا۔

یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما دفن نبی ﷺ میں مطلقاً شریک نہیں ہوئے وہ دونوں حضرات مجمع انصار کے ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ ان دونوں کی واپسی سے پہلے ہی مدفون ہوئے۔ بہر حال صورت یہی رہی کہ ادھر نبی ﷺ دفن ہو رہے تھے اور ادھر حضرت ابوبکر کی بیعت ہو رہی تھی۔ جب بیعت کی مہم سر ہو چکی اور اس طرف سے فراغت ہوئی تو حضرت عمر کے اصرار پر علی مرتضیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان اور حامیان سے بھی بیعت کا مطالبہ ہوا اور اس سلسلہ میں جو تشدد کے واقعات پیش آئے، ہم مختصراً بیان کر چکے ہیں لیکن علی مرتضیٰ علیہ السلام اور بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہ کی۔ نتیجتہً فاطمہ زہرا علیہا السلام کے کارکن جو فدک میں تھے، ان کو نکال دیا گیا یہاں سے اس قضیہ کی ابتداء ہوئی۔

سیدہ علیہا السلام نے دعویٰ کیا کہ فدک میرے باپ ﷺ مجھے ہبہ کر چکے ہیں

فتوح البلدان بلاذری جو اکابر علما اہل سنت سے ہیں اور علامہ شبلی نے جابجا اس کتاب کو سنداً پیش کیا ہے۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو جس کو تاریخ احمدی سے نقل کر رہے ہیں۔

کانت فدک لرسول اللہ خاصۃً لانہ لم یوجف المسلمون علیہا بخیل ولا رکاب وعن مالک بن جعونہ عن ابیہ قال قالت فاطمۃ لابی بکر ان رسول اللہ جعل لی فدک فاعطنی ایاھا و شہد لہا علی بن ابی طالب فسالہا

شاهداً آخر فشهدت لها ام ایمن فقال قدعلمت یا ابنة رسول الله انه لا تجوز الا شهادة رجلین او رجل وامرئتین۔

یعنی فدک خاص رسول اللہ ﷺ کا تھا کیوں کہ اس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ اور مالک بن جعونہ سے روایت ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ فاطمہ علیہا السلام نے ابوبکر سے کہا کہ فدک مجھ کو میرے باپ ﷺ دے گئے ہیں لہذا وہ مجھے دو۔ فاطمہ علیہا السلام کی شہادت علی علیہ السلام نے دی۔ حضرت ابوبکر نے دوسرا گواہ طلب کیا توام ایمن نے گواہی دی تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اے بنت رسول اللہ ﷺ! آپ جانتی ہیں کہ شہادت نہیں چلتی لیکن دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی۔

سیدہ طاہرہ علیہا السلام کا یہ ارشاد کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک مجھے ہبہ کیا ہے، دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔ کتاب فضیتہ النجات کا قلمی نسخہ جو ہمارے پاس موجود ہے اس میں علماء اہل سنت کی معتبر کتابوں سے ہبہ فدک کا مفصل واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ابوبکر جوہری کی کتاب قضیۂ فدک سے اور یاقوت حموی شافعی کی کتاب معجم البلدان سے اور ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ سے اور تاریخ آل عباس سے اور کتاب ملل و نحل سے اور علامہ ابن الحدید کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اس کے ثبوت میں کہ میرے باپ نے فدک مجھے ہبہ کیا علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور ام ایمن کو پیش کیا تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں نہیں سنی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شہادت اپنے مفاد کے لئے ہو اور ام ایمن ایک عورت کی گواہی لائق اعتبار نہیں اور اس بنا پر انہوں نے فدک کو

بنت خیر المسلمین کے تصرف سے نکال کر داخل بیت المال کر لیا۔

فدک کو حضرت ابو بکر نے اور ان کے بعد حضرت عمر نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی شافعی سے اور الفاروق (علامہ شبلی نعمانی) سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ فدک کو حضرات شیخین نے اپنے اپنے عہد میں اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

اب ہم مختصر سا تبصرہ اس امر پر کرتے ہیں کہ آیا اس کی ضرورت تھی کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام سے شہادت طلب کی جائے اگرچہ اس سلسلہ میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا عند اللہ و عند الرسول ﷺ کیا مقام ہے ان کے بارہ میں آیہ تطہیر بتا چکی تھی کہ وہ طاہرہ ہیں اور آیہ مباہلہ نے

فنجعل لعنة الله على الكاذبين

کہہ کر بتا دیا تھا کہ وہ صدیقہ ہیں اور رسول ﷺ کی حدیث ثقلین نے طے کر دیا تھا کہ وہ تمام امت کے لئے وسیلہ نجات ہیں وغیرہ لیکن ہم اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر سیدہ علیہا السلام کو عامۃ المسلمین ہی کی حیثیت سے دیکھیں تو دین اور دنیا کا یہ مستقل قانون ہے کہ قابض سے اثبات حق کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ثبوت اس سے طلب کیا جائے گا جو اس چیز کا دعویدار ہو کر قابض کے قبضہ سے نکالنا چاہتا ہے اسی لئے یہ جملہ مشہور ہے کہ

القبض دليل الملك

یعنی قبضہ خود دلیل ملکیت ہے۔ دنیا اور دین کا سارا نظام اسی اصول پر چلتا ہے ورنہ ہر شخص ہر چیز کا ثبوت ملکیت دینے میں ہر وقت کیسے عہدہ بر آ ہو سکتا

ہے؟ ہاتھ پر گھڑی، جیب میں پیسہ، سر پر ٹوپی، پیر میں جوتا، بدن پر لباس، گھر کا سامان غرض کہ ہر چیز کا ثبوت ملکیت کوئی کہاں تک محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اسی وجہ سے شریعت اور ہر حکومت کا قانون ہے کہ بار ثبوت قابض پر نہیں بلکہ اس کے مخالف مدعی پر ہے۔ ہم یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ فدک سیدہ علیہا السلام کے قبضہ میں تھا۔ جس کی ایک اور صریحی دلیل یہ ہے کہ اگر فدک سیدہ علیہا السلام کے قبضہ میں پہلے سے نہ ہوتا تو ان کے اس فرمانے پر کہ میرے باپ نے فدک مجھے ہبہ کیا تھا۔ گواہ طلب کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ جواب دیا جاسکتا تھا کہ اگر نبی ﷺ نے آپ کو ہبہ کیا ہوتا تو یہ آپ کے قبضہ میں ہوتا کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر نافذ ہی نہیں ہوتا۔

سیدہ (علیہا السلام) کی طرف سے شہادت پر ایک نظر

ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ سیدہ علیہا السلام کے گواہوں کا صرف علی علیہ السلام اور ام ایمن میں انحصار تھا اور رسول ﷺ نے صرف ان دو ہی کے سامنے ہبہ فرمایا تھا؟ اصولاً یہ بات غلط ہے۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ہبہ کرتے وقت رسول ﷺ کو اور ہبہ کا دعویٰ کرتے وقت بنت رسول ﷺ کو یہ علم نہ ہو کہ نصاب شہادت میں کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اور اس لاعلمی کی وجہ سے سیدہ علیہا السلام نے ناکافی شہادت پیش کی ہو۔

ہم اس کا یقین رکھتے ہیں کہ سیدہ علیہا السلام کی تائید میں شہادتیں اور بھی موجود تھیں۔ چنانچہ تاریخ آل عباس میں یہ بیان موجود ہے کہ سیدہ علیہا السلام نے شہادت کے لئے علی مرتضیٰ علیہ السلام، ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کو پیش کیا اور یہ دونوں خواتین وہ ہیں جن کے لئے سرکار رسالت ﷺ نے

جنت کی بشارت دی۔ یہ روایت اصول درایت کے اعتبار سے یقینی ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ، علی علیہ السلام اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بارے میں یہ ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ نصاب شہادت سے بے خبر ہوں بلکہ یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ ان تین (یعنی علی علیہ السلام، ام ایمن اور اسماء بنت عمیس) کے سوا اور کوئی شاہد نہ تھا جس کے سامنے رسول ﷺ نے ہبہ کیا ہو۔ واقعہ کو واقعہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے۔ سیدہ علیہا السلام نے اپنا دعویٰ اس انداز میں نہیں پیش کیا تھا جس طرح ہم لوگ اپنے دعووں کو پوری تیاری کرنے کے بعد عدالت میں دائر کرتے ہیں اور پہلے شاہدوں کو مہیا کر لیتے ہیں۔ سیدہ علیہا السلام تو روتی پیٹتی ہوئی بنت رسول ﷺ کی حیثیت سے صحابی رسول سے شکایت کرنے گئی تھیں۔ ان کی روانگی کے وقت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور کچھ بیبیاں بھی سیدہ علیہا السلام کی محبت اور ہمدردی میں ان کے ساتھ گئیں اور حاضرین اور سیدہ علیہا السلام کے درمیان میں پردہ لے کر کھڑی ہو گئیں۔ سیدہ علیہا السلام نے آہ و بکا کے ساتھ ان لوگوں کی شکایت کی اور شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ فدک مجھ سے کیوں لیا گیا یہ تو میرے باپ مجھے دے چکے ہیں اس پر شہادت مانگی گئی تو جو لوگ اس وقت سیدہ علیہا السلام کے پاس موقع پر موجود تھے اور ہبہ ان کے سامنے ہوا تھا سیدہ علیہا السلام نے ان کو پیش کیا اور ان کا نام لیا۔ لیکن جب علی علیہ السلام کی شہادت شوہر ہونے کی بناء پر مسترد ہو گئی تو حقیقتاً سیدہ علیہا السلام کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ ان گواہوں کو طلب کریں جو اس وقت آپ کے ساتھ نہیں ہیں اور ان کو بلوا بلوا کر کہیں کہ میری شہادت دو۔ اس کی ضرورت تو ایسے شخص کو ہوتی جس کا حق صرف ایک اسی صورت میں منحصر ہوتا ہے کہ ہبہ ثابت کیا جائے تو حق ہے ورنہ نہیں۔ سیدہ علیہا السلام

کہ اس طوالت کی ضرورت ہی کیا تھی کہ غیر حاضر لوگوں کو حاضر کریں اور ان کے انتظار میں اس قضیہ کو التواء میں ڈالیں۔ باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ ہبہ نہیں مانا جارہا ہے تو آپ کو یہی کہنا تھا کہ چلو چھوڑو ہبہ کرنا نہیں مانتے ہو نہ سہی میں اپنے باپ کی وارث تو ہوں یعنی اگر ان کی موجودگی میں تمہارے نزدیک فدک کی میں مالک نہ تھی تو اب وارث ہو کر ان کے بعد تو مالک ہوں۔

ہر شخص اپنی جگہ سوچے کہ اگر کسی کو اس کے باپ سے نے اپنی زندگی میں کوئی چیز دے دی ہو اور باپ کی وفات کے بعد کوئی غیر آدمی جس کا اس چیز میں کوئی حق نہ ہو اس سے یہ پوچھے کہ یہ چیز تم کو کیسے ملی تھی تو لامحالہ وہ جواب دے گا کہ میرے باپ نے دی تھی اس پر اگر اس سے کہا جائے کہ کس کے سامنے دی تھی تو اگر کوئی ایسا آدمی اس وقت وہاں موجود ہو گا تو اس کا نام لے دیا جائے گا۔ اگر اس آدمی کی شہادت کو ناکافی کہا جائے گا تو چیز والے کو کیا ضرورت ہے کہ وہ دوسروں کو بلاتا پھرے۔ وہ فوراً کہے گا کہ اس بحث سے فائدہ کیا؟ میں اپنے باپ کا وارث ہوں۔ دنیا میں ہر شخص ایسے موقع پر وہی صورت اختیار کرے گا جو سیدہ علیہا السلام نے کی۔ سیدہ علیہا السلام کے دعوائے وراثت پر جو جواب دیا گیا اس کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء کے متروکہ کی میراث نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ سیدہ علیہا السلام نے فرمایا کہ یہ قول جو سراسر مخالف قرآن ہے، میرے باپ کا قول کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ سیدہ علیہا السلام نے ان آیات قرآنی کو پیش کیا جن میں عموماً اور خصوصاً انبیاء کی وراثت کا تذکرہ موجود ہے۔ لیکن سیدہ علیہا السلام کی بات کسی طرح نہ مانی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اتمام حجت کے فرض

کو پورا کر دیا۔

بالآخر سیدہ علیہا السلام نے صبر کرتے ہوئے اس قضیہ کو خدا کے سپرد کر دیا اور روز محشر اللہ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا

اب اس کا فیصلہ روز محشر ہو گا اس روز فیصلہ کرنے والا اللہ ہو گا اور فیصلہ کرانے والے میرے ساتھ میرے باپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے تم بھی اس دن کا انتظار کرو میں بھی اس دن کی منتظر ہوں۔ ہم اس سلسلہ میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کا قول بھی نہج البلاغہ سے پیش کر چکے ہیں کہ سرکار امامت نے عثمان بن حنیف سے فدک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

نعم الحکم اللہ

یعنی اب اس کا فیصلہ یہاں نہیں بلکہ خدا کے یہاں ہو گا۔ بعینہ یہی الفاظ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ہیں جو بیان ہو چکے اور اس کی سند بھی ہم عنقریب پیش کریں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ فاطمہ اور علی علیہ السلام ان دونوں نے اتمام حجت کے بعد اپنا قضیہ اللہ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔

جس امر کو سپرد خدا کر دیا جائے پھر اس حق کو اپنی طرف سے حاصل کرنے کی کوشش قطعاً نامناسب ہے

کسی امر کو سپرد خدا کرنے اور الہیٰ فیصلہ پر چھوڑ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ آج کے بعد ہم پھر کبھی کسی سے اپنے حق کے طالب نہ ہوں گے اور اس کے حاصل کرنے کی کبھی اپنی طرف سے کوشش نہ کریں گے۔ علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام دونوں نے اس امر کو خدا کے اور روز جزا کے فیصلہ پر چھوڑ دیا اور یہ طے کر لیا کہ اب ہم اس بارہ میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کوئی کوشش

نہ کریں گے اور کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔ اب جو لوگ بار بار یہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت میں فدک پر اپنا اور اپنے بچوں کا قبضہ کیوں نہ کیا اور حکومت ہوتے ہوئے، اگر فدک ان کا تھا تو کیوں نہ لیا؟ وہ لوگ غور کریں اور نگاہ انصاف سے دیکھیں کہ سیدہ علیہا السلام اور ان کے ساتھ علی مرتضیٰ علیہ السلام جب دونوں اس قضیہ کو سپرد خدا کر چکے تھے اور فیصلہ خدا پر چھوڑ چکے تھے تو اب سیدہ علیہا السلام کی دردناک وفات کے بعد ان کے شریک غم اور شریک فیصلہ یعنی ان کے شوہر اور فرزند اس فدک کو از خود حاصل کرنا اور باختیار خود لے لینا گوارا کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اس صورت میں اگر اپنی طاقت کی بنا پر فدک لے لیتے تو پھر علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کے ان الفاظ کی کیا حقیقت رہ جاتی کہ ہمارے حق کے بارے میں بخل کیا گیا تو اب ہم نے اپنی سیر چشمی سے اسے خیر باد کہہ دیا اور اس قضیہ کو سپرد خدا کر دیا اور فیصلہ روز قیامت پر چھوڑ دیا اور اللہ کا فیصلہ ہر فیصلہ سے بہتر ہے۔ یہی اور صرف یہی وجہ ہے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ورثاء نے کسی زمانہ میں بھی از خود فدک کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کس قدر افسوس ناک ہے یہ بات کہ یہ تو کہا جائے کہ اگر فدک حق فاطمہ علیہا السلام تھا تو علی علیہ السلام نے حسنین علیہم السلام کو کیوں نہ دیا جیسے علی علیہ السلام اور حسنین علیہم السلام الگ الگ دو فریق تھے معاذاللہ یا گویا حسنین علیہم السلام فدک کے طالب تھے اور علی علیہ السلام نے ان کے طلب کرنے کے باوجود نہیں دیا، اور یہ نہ دیکھا جائے کہ اگر علی علیہ السلام کی نظر میں فدک حق فاطمہ علیہا السلام نہ ہوتا تو علی مرتضیٰ علیہ السلام فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ہم نوا کیوں ہوتے؟ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی تائید میں شہادت کیوں دیتے بلکہ علی علیہ السلام کے نقطہ نظر کے خلاف خود سیدہ علیہا السلام ہی دعوائے حق فدک کیوں کرتیں؟ اور

جو فیصلہ حکومت نے کیا اس پر کیوں غضبناک ہوتیں اور مرتے دم تک کیوں غضبناک رہتیں ؟ کیا کوئی باشعور انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا اپنی حق رسی کے لئے حکام وقت کے پاس آنا اور اپنے حق کا دعویٰ کرنا اور تائید دعویٰ میں قرآنی اور انسانی دونوں قسم کی شہادتوں کا پیش کرنا اور فیصلہ حکومت پر ناراض ہونا یہ تمام تر اقدام علی علیہ السلام مرتضیٰ کی اجازت اور حمایت اور موافقت کے بغیر ہو سکتا تھا؟ ہرگز نہیں! پھر سیدہ علیہا السلام کا تادم مرگ ناراض رہنا اور وصیت کر جانا کہ وہ لوگ شریک جنازہ نہ ہوں اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کا اس وصیت پر پورے طور پر عمل کرنا، یہ سب کچھ کیا اس صورت میں ممکن تھا کہ فدک کے بارہ میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کا نظریہ سیدہ علیہا السلام کے نظریہ سے مختلف ہو؟ ہرگز نہیں۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے تو اپنے زمانہ خلافت میں بھی یہی فرمایا کہ دنیا میں ایک فدک ہمارے قبضہ میں تھا جس کے بارہ میں قوم نے بخل کیا تو ہم نے اپنی سیر چشمی سے اسے بھی خیر باد کہا اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے یہ کلمات ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

فدک اپنے زمانہ خلافت میں علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کیوں نہ لیا؟

ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہا السلام دونوں نے ایک مرتبہ اتمام حجت کر کے کہہ دیا اور طے کر لیا کہ اب ہم نے اس مسئلہ کو سپرد خدا کر دیا اور روز آخرت اللہ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ وفات سیدہ علیہا السلام کے بعد علی مرتضیٰ علیہ السلام یا حسنین علیہم السلام یا اولاد فاطمہ زہرا علیہا السلام، سیدہ کے وارث ہو کر ان کے کئے ہوئے فیصلے سے منحرف ہوں اور بزور فدک لے کر سیدہ طاہرہ علیہا السلام سے بے وفائی کریں۔

فدک خلافت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کس کے پاس تھا؟

لوگ اپنی بے خبری کی بنا پر، محض اس اندازہ سے کہ جب خلافت علی علیہ السلام کو ملی تو ساتھ میں فدک بھی ضرور ان کے قبضہ میں آیا ہو گا، یہ سمجھ لیتے ہیں کہ فدک علی علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ہم اس سے پہلے علامہ شبلی کی الفاروق وغیرہ سے یہ دکھا چکے ہیں کہ فدک کو فاطمہ زہرا علیہا السلام سے چھین لئے جانے کے بعد، حضرت ابوبکر نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اسی طرح اپنے زمانہ میں حضرت عمر نے بھی اپنے لئے مخصوص رکھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان کا زمانہ خلافت آیا۔

حضرت عثمان نے فدک کی جاگیر مستقل طور پر مروان کو عطا کر دی تھی

تاریخ ابوالفداء سے تاریخ احمدی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ملاحظہ ہوں۔

مما نقم الناس علیه رده الحکم بن العاص طرید رسول الله و طرید ابی بکر و عمراً واعطائه مروان بن الحکم خمس غنائم أفریقیة وهو خمس مائة الف دینار الی ان قال واقطع مروان بن الحکم فدک

یعنی جن باتوں نے لوگوں کو حضرت عثمان پر مشتعل کیا وہ یہ تھیں کہ انہوں نے حکم بن عاص کو مدینہ واپس بلا لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور حضرت ابوبکر و عمر نے بھی اس کو نکالے ہی رکھا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرت عثمان نے افریقہ کے مال غنیمت کا خمس (جو حق آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا) مروان بن حکم کو عطا کر دیا تھا جس کی مالیت پانچ لاکھ دینار

تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں تھیں جن کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان نے فدک کو بھی مستقل طور پر مروان کو بطور جاگیر دے دیا تھا۔ تاریخ روضتہ المناظر کی بھی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

قال ابن شحنه فی روضته المناظر و فی سنة اربع و ثلاثین اقطع مروان بن الحکم فدک

یعنی ابن شحنہ نے تاریخ روضتہ المناظر میں بیان کیا ہے کہ ۳۴ھ میں عثمان بن عفان نے مروان بن حکم کو فدک بطور جاگیر دے دیا۔

غرض کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی محرومی کے بعد سے ۳۴ھ تک یہ فدک ہر عہد کے خلیفہ کے لئے مخصوص رہا اور اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہرگز نہیں کہ خلفاء ثلاثہ نے اس معمولی سی جائیداد پر ایک شہنشاہی کے ہوتے ہوئے کسی لالچ کی وجہ سے قبضہ رکھا بلکہ اصل وجہ یہی ہے کہ حکومت جب کبھی کسی کو مخالف حکومت پاکر اس کی جائیداد، ضبط کرتی ہے تو وہ منضبط جائیداد صرف حکومت کے زیر تصرف رہتی ہے اس میں عوام یا افراد کا کوئی حق نہیں ہوتا جب تک حکومت خود اپنی مرضی سے کسی کو عطا نہ کر دے۔ فدک چونکہ سیدہ علیہا السلام سے ضبط کردہ جائیداد تھی اس لئے اس میں عامتہ المسلمین کا حق نہ تھا۔ لیکن جب ۳۴ھ میں حضرت عثمان نے اپنے داماد مروان کو یہ جائیداد عطا کر دی تو اس روز سے مروان کی ملکیت میں آگئی۔ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں یہ جائیداد مروان ہی کے پاس رہی کیونکہ ورثاء فاطمہ جن میں بحیثیت شوہر خود علی علیہ السلام بھی تھے، حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کے اس فیصلہ کے بعد کہ اس کا فیصلہ ہم نے اللہ پر چھوڑ دیا، اس جائیداد کو حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتے تھے۔

مروان کے بعد یہ جائیداد اولاد مروان میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی۔ اس خلیفہ نے اہلبیت علیہم السلام کے بارہ میں جو سختیاں ہوتی چلی آرہی تھیں، ان کو کسی حد تک دور کرنا چاہا۔ چنانچہ علی مرتضیٰ علیہ السلام پر مساجد میں منبروں پر جو تبرا عہد معاویہ سے ہورہا تھا اس کو ۹۹ ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکماً بند کرادیا اور رقوم خمس بھی بنی ہاشم کے پاس بھیجیں دیکھیئے تاریخ ابوالفدا اور کتاب الخراج (قاضی ابو یوسف)۔ اسی خلیفہ نے اپنے عہد خلافت میں پہلی بار فدک بھی اولاد سیدہ علیہا السلام کو واپس کیا۔ چنانچہ کتاب اخبار الاوائل (ابو نیلام عسکری) سے نقل کیا گیا ہے کہ پہلا شخص جس نے فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو واپس کیا وہ عمر بن عبدالعزیز تھے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کے بعد فدک پھر اولاد فاطمہ علیہا السلام سے لے لیا گیا۔ یہاں تک کہ سفاح ابوالعباس کا زمانہ آیا تو انہوں نے پھر اولاد فاطمہ علیہا السلام کو فدک واپس کیا۔

سفاح کے بعد پھر اولاد فاطمہ علیہا السلام سے فدک لے لیا گیا۔ جب خلیفہ مہدی بن منصور کا زمانہ آیا تو انہوں نے پھر اولاد فاطمہؑ کو فدک واپس کر دیا۔ مہدی کے بعد پھر ورثاً فاطمہؑ سے لے لیا گیا اس کے بعد جب مامون رشید کا زمانہ آیا تو انہوں نے علماء ملت کو جمع کیا اور فدک کے مسئلہ پر اپنے سامنے بحث کرائی اور بالآخر یہ طے ہوا کہ یہ حق سیدہ علیہا السلام تھا۔ مامون نے ایک جشن مسرت قائم کیا اور فدک اس جلسہ عام میں اولاد فاطمہ زہرا علیہا السلام کو واپس کیا گیا (اخبار الاوائل) مامون الرشید کا اولاد فاطمہؑ کو فدک کا واپس کرنا فتوح البلدان (بلاذری) میں بھی مرقوم ہے۔ فتوح البلدان بلاذری کی عبارت یہ ہے۔

وقد كتب اميرالمومنين المامون بدفع فدک الی ولد فاطمة و قد كتب امير المومنين الی المبارک الطبری مولی امير المومنين يامره برد فدک علی ورثة فاطمة بنت رسول الله بحدودها جميع حقوقها.

یعنی امیرالمومنین مامون رشید نے حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو دیا جائے اور اپنے غلام مبارک طبری کو لکھ بھیجا کہ فدک اپنی حدود اور تمام حقوق کے ساتھ ورثاً فاطمہ بنت رسول ﷺ کو لوٹا دیا جائے۔ بلکہ تاریخ الخلفاء (علامہ سیوطی) نے یہ بھی لکھا ہے کہ

امرالمامون بان ينادی برئت الذمة ممن ذكر معاوية بخير وان افضل الخلق بعد رسول الله علی بن ابی طالب.

یعنی مامون نے حکم دیا کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ جو شخص معاویہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے گا میں اس کی جان و مال کا ذمہ دار نہیں ہوں اور یہ بھی اعلان کرایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد علی ابن ابی طالب علیہ السلام خلق خدا میں سب سے افضل ہیں۔

چار خلفاء نے اپنے اپنے عہد میں فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا

چار خلفاء ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں فدک کو حق سیدہ علیہا السلام تسلیم کر کے ان کی اولاد کو واپس کیا۔

عمر بن عبد العزیز۔ ابو العباس سفاح۔ مہدی بن منصور۔ مامون الرشید۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ خلفاء ثلاثہ کے ماننے والے تھے لیکن انہوں نے خلیفہ اول و

ثانی و ثالث کے نظریات کو کالعدم اور حضرت شیخین کے فیصلہ کو غیر صحیح قرار دیا۔ ان چاروں خلفاء کو یہ بھی یقیناً علم تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عہد خلافت میں فدک حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس سے انہوں نے یہ نتیجہ ہر گز اخذ نہیں کیا کہ اگر فدک حق سیدہ ہوتا تو علی علیہ السلام فدک پر قبضہ کرتے اور جب یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا تو لامحالہ صریحی واقعات کی روشنی میں یہی سمجھا کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کا فدک کی طرف سے صرف نظر رکھنا علی علیہ السلام کی غیرت، حمیت اور فاطمہ زہرا علیہا السلام سے وفا کی بنا پر تھا اور یہ کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام اپنے اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے قول (سپرد خدا کر دیا) پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔

اگر کوئی شخص از خود صاحب حق کا حق دے تو پھر صاحب حق کو اپنا حق لینے سے انکار کا کوئی حق نہیں ہے

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ صاحب حق اگر اتمام حجت کے بعد کہہ دے کہ میں نے اس معاملہ کو سپرد خدا کیا اب اس کا فیصلہ اللہ کے یہاں ہو گا تو پھر اس کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ کبھی بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوئی سعی اپنی طرف سے کرے۔ وہ یہ تو کہے گا کہ مجھے میرے حق سے محروم کیا گیا لیکن سپرد خدا کرنے کے بعد اس حق کو حاصل کرنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک صورت ہے وہ یہ کہ جس کے قبضہ میں یہ حق ہو اور وہ کسی وقت یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ واقعاً یہ حق میرا نہیں ہے بلکہ حقدار کا حق ہے اگر حقدار کو حق واپس کرے تو اس صورت میں حقدار کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اب یہ مسئلہ موجودہ فریقین میں متنازعہ رہا ہی نہیں جس کا فیصلہ اللہ پر رکھا جائے۔ فیصلہ ہمیشہ نزاعی امور کا ہوا کرتا ہے۔

اور سابق میں نزاعی ہونے کی ہی وجہ سے سپرد خدا کیا گیا تھا لیکن بعد کے خلفاء مذکورین نے جب حقدار کا حق تسلیم کر لیا تو اس وقت کے فریقین میں کوئی نزاع ہی نہ رہا۔ اب حق دار اپنا حق لینے سے انکار کرے تو کیا کھہ کر انکار کرے؟

البتہ جن اصل فریقین میں یہ مسئلہ نزاعی صورت میں قائم رہا یا فریقین کی جگہ آنے والوں میں سے جہاں جہاں بھی نزاعی رہا، ان کے درمیان الہیٰ فیصلہ ہو گا۔ کیونکہ ہر نزاع کا آخری فیصلہ اسی روز ہوتا ہے۔

حکومت، مہاجرین اور انصار کے سامنے جو تقریر سیدہ علیہا السلام نے کی اس کا تذکرہ

سیدہ علیہا السلام نے اس سلسلہ میں حکومت، مہاجرین اور انصار کے سامنے پہنچ کر جو تقریر فرمائی تھی اس کو خطبہ لُمہ کے نام سے اکابر علماء اہل سنت نے بیان کیا ہے۔ لُمہ رفقاء سفر کو کھتے ہیں۔ چونکہ اس وقت سیدہ علیہا السلام تنہا نہ تھیں بلکہ گھر کی کنیزیں، خاندان کی مستورات، آپ علیہا السلام کے شوہر اور بچے بھی آپ کے ساتھ تھے اس لیے اس تقریر کو خطبہ لُمہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کو ابو بکر جوہری نے اپنی کتاب سقیفہ میں روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ تذکرہ خواص الامتہ (علامہ سبط بن جوزی) اور تاریخ یافعی وغیرہ میں اس خطبہ کی تذکرہ اور اسی خطبہ کی مدح وثناء لکھی ہے اور علامہ جار اللہ زمخشری نے اپنی کتاب فائق میں اس خطبہ کا اور اس کے بعض الفاظ کی لغوی حیثیت کا ذکر کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی لئالی موضونہ میں ابن قتیبہ کے حوالہ سے اس خطبہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ خطبہ ایک مفصل اور طولانی بیان ہے۔ اگرچہ اس وقت ہمارے سامنے ہے لیکن بخوف

طوالت ہم اس کے لکھنے سے رک رہے ہیں نیز یہاں ہماری کوتاہ قلمی کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ اس خطبہ کے پے در پے جملے کسی کے لیے بار خاطر ہوں۔ کیونکہ معصومہ علیہا السلام نے یہ تقریر اسی شان اور اسی لب سے فرمائی ہے جو ایک آقازادی، مخدومہ اور شاہزادی کونین کا حق ہے۔ ہم اس خطبہ کا صرف آخری جملہ بیان کرکے دکھانا چاہتے ہیں کہ بالآخر سیدہ علیہا السلام نے اس قضیہ کو سپرد خدا کرتے ہوئے فیصلہ روز آخرت پر چھوڑ دیا تھا۔

تلقاک یوم حشرک فنعم الحکم اللّٰہ والزعیم محمدو والموعدالقیامۃ وعندالساعۃ ما یوعدون و لکل بنا مستقر وسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ یحل علیہ عذاب مقیم۔

یعنی یہ محرومہ میراث پدر (میں) تیرے حشر کے دن تیری شکایت کروں گی۔ اس روز اللہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہو گا اور محمد ﷺ مصطفی دعویدار ہوں گے۔ ہمارا اور تمہارا انصاف قیامت میں ہوگا ہر بات کا ایک مقام معین ہے تم عنقریب جان لو گے کہ رسوا کن اور پائیدار عذاب کس پر ہوتا ہے۔ پھر فرماتی ہیں۔

وانا ابنۃ نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فاعملو انا عاملون وانتظروا انا منتظرون.

میں اس کی بیٹی ہوں جو تم لوگوں کو اللہ کے شدید عذاب سے ڈرانے کے لیے آئے تھے اب جو تمہیں کرنا ہو کرو اور جو ہمیں کرنا ہے ہم کریں تم بھی روز قیامت کا انتظار کرو ہم بھی اس دن کے منتظر ہیں۔ ان تمام کلمات سے بخوبی

ظاہر ہو رہا ہے کہ سیدہ علیہا السلام نے اس قضیہ کو اللہ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا اور سپرد خدا کیا۔ یہی الفاظ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ہیں جن کو ہم نہج البلاغہ سے نقل کر چکے ہیں یعنی

نعم الحکم اللہ

بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ کیا اب کوئی منصف اور صاحب دل یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے بعد علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لیے زیبا ہے کہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں فدک پر قبضہ کرنے کا خیال بھی دل میں لائیں؟ "لاواللہ" ہرگز نہیں۔

فدک پر علی مرتضیٰ علیہ السلام کا قبضہ نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ فدک صرف حق فاطمہ علیہا السلام تھا۔

فدک کے بارے میں صرف دو نظریے ہیں ایک نظریہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا ہے جس میں علی مرتضیٰ علیہ السلام جن کے ہمنوا اور ہم آواز ہیں وہ یہ کہ فدک خالصتاً حق سیدہ علیہا السلام ہے۔ دوسرا نظریہ حکومت کا ہے وہ یہ کہ فدک شامل ریاست اسلامیہ ہے جو اسلام اور اسلامیان کے مفاد کے لیے ہے یعنی اس کی آمدنی سے دین اور دینداروں کے حقوق کو پورا کرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کا اپنے زمانہ خلافت میں فدک کی طرف سے صرف نظر رکھنا اور فدک پر قبضہ نہ کرنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے کس نظریہ کو ثابت کرتا ہے؟ یہ نکتہ جتنا لطیف ہے اتنا ہی فیصلہ کن ہے۔ یہ سوال پوری سنجیدگی سے حل کرنے کے لائق ہے کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے باوجود حکومت کے، جو فدک کو مروان کے پاس چھوڑے رکھا تو فدک کو اپنا سمجھ کر چھوڑے رکھا یا حق اسلام و مسلمین سمجھ کر چھوڑے رکھا۔ ظاہر ہے کہ انسان اگر اپنی ذاتی چیز کو اپنی سیر چشمی اور غیرت و حمیت کی وجہ سے قابض کے پاس چھوڑے رکھے تو اس پر کسی طرف

سے کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ جس کی چیز ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کے لیے جدوجہد کرے یا خاموشی اختیار کرے۔

لیکن اگر وہ چیز اس کی اپنی نہیں ہے بلکہ وہ دین اور عامۃ المسلمین کا حق ہے تو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والی ریاست پر واجب ہے کہ امکان کے ہوتے ہوئے ریاست اسلامیہ کے اس جز کو قبضہ غیر سے نکالے اور دینی مفاد کو محفوظ کرے۔ خلیفہ کا فرض اولین ہی یہ ہے کہ وہ ریاست اسلامیہ کو خورد برد نہ ہونے دے اور اس پر کسی کو ناجائز تصرف نہ کرنے دے۔ لہذا روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نزدیک فدک ان کی اور ان کے بچوں کی ذاتی چیز تھی ورنہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی دولت اسلامیہ کو قبضہ غیر میں نہیں چھوڑ سکتے تھے جب کہ وہ جائیداد تھی بھی آپ علیہ السلام کے حدود سلطنت میں۔

اگر فدک حق اسلام و مسلمین میں سے ہوتا تو مسلمان خود بھی علی مرتضیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ فدک مروان سے واپس لیا جائے۔

یہ نکتہ بھی لائق توجہ ہے کہ جن ہزاروں مسلمانوں نے اپنے حقوق کی پامالی دیکھ کر حضرت عثمان کی مخالفت کی اور ان کی مروان نوازی کو دیکھ کر مروان دشمنی میں خود ان کو قتل کر دیا وہ لوگ حضرت عثمان کے قتل کرنے کے بعد یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ وہی مروان، اب بھی بدستور فدک پر جو حق عوام اور موقوفہ اسلام ہے، قابض رہے۔ لیکن فدک کے بارہ میں مروان کے خلاف کسی کا لب کشائی نہ کرنا خود اپنی جگہ اس کی دلیل ہے کہ عام ذہنوں میں

یہ چیز تھی کہ فدک حق اہل بیت علیہم السلام ہے انہیں اختیار ہے وہ اپنی چیز لیں یا نہ لیں۔

مولانا عبدالستار صاحب کے حالیہ رسالہ میں اور علامہ نہال احمد صاحب کے سابقہ رسالہ میں ایک یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام حضرت ابوبکر و عمر پر غضبناک ہوئیں تو حضرت ہارون علیہ السلام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو غضبناک ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی میں حضرت خضر علیہ السلام کے چھید کرنے کے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکا تھا تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت ہارون علیہ السلام پر غضبناک ہونے سے حضرت ہارون علیہ السلام پر کوئی الزام نہیں آتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکنے سے حضرت خضر علیہ السلام پر کوئی الزام نہیں آتا اسی طرح فاطمہ زہرا علیہا السلام کے غضبناک ہونے سے حضرات شیخین پر کوئی الزام نہیں آتا۔ دراصل ان دونوں محترم عبدالستار صاحب اور سید نہال احمد صاحب نے یہ بات تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز سے سوچے سمجھے بغیر لے کر بیان کی ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ایک مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین غور فرمائیں کہ دی ہوئی مثالوں میں اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے غضبناک ہونے کے واقعہ میں کتنا بعد المشرقین ہے۔ ہم یہاں صرف دو سوال قائم کرتے ہیں یہ مسئلہ فوراً حل ہو جائے گا۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام پر کب غضبناک ہوئے؟ حضرت ہارون علیہ السلام کی بات سننے سے پہلے یا ہارون علیہ السلام کی بات سننے کے بعد؟

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کب ٹوکا! حضرت خضر علیہ السلام کا جواب سننے سے پہلے یا خضر علیہ السلام کا جواب سننے کے بعد؟

دنیا میں کون یہ جواب دے سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام کا جواب سننے کے بعد ہارون علیہ السلام پر غضبناک ہوئے؟ اسی طرح کون یہ کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام کا جواب سننے کے بعد بھی خضر علیہ السلام کو ٹوکتے رہے؟ واقعہ تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام میقات سے واپس آئے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنا جانشین ہارون علیہ السلام کو بنا کر گئے تھے اور اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ ہارون علیہ السلام نبی خدا اور میرا قوت بازو اور وزیر قوم کی صحیح رہنمائی سے غافل نہیں ہوسکتے لیکن سب سے پہلے باز پرس ذمہ دار ہی سے کی جاتی ہے تاکہ اس کو اصل مجرم کے انکشاف کا موقع ملے اس لئے ظاہری طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضبناک ہو کر حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس کی جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے بقول قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ماں جائے میں نے قوم کو ہر طرح سے ہدایت کی مگر ان لوگوں نے میری بات نہ مانی بلکہ خود مجھ ہی کو قتل کرنے لگے تھے یہ کفر سامری کا پھیلایا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ ظاہری غم و غصہ حضرت ہارون علیہ السلام پر مطلقاً نہ رہا اور نہ رہ سکتا تھا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصل مجرم سامری کی خبر لی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی میں چھید کرتے دیکھا تو چونکہ اصل وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہ تھی تو انہوں نے بیقرار ہو کر وجہ معلوم کرنا چاہی بالآخر جب حضرت خضر علیہ السلام نے اس واقعہ کی اور بعد کے دوسرے واقعات کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔

اب بتایا جائے کہ یہ مثالیں فاطمہ زہرا علیہا السلام کے غضبناک ہوتے

پر کیسے منطبق ہو سکتی ہیں کیونکہ سیدہ علیہا السلام حضرت ابوبکر و عمر کا جواب سننے سے پہلے تو غضبناک نہیں ہوئیں وہ تو اس وقت غضبناک ہوئیں جب کہ وہ دونوں حضرات اپنا مفصل جواب دے چکے اور فدک کے دیئے جانے کے تمام علل و اسباب پوری تفصیل سے بیان کر چکے۔ سیدہ علیہا السلام تو ناراض ہی اس جواب پر ہوئیں جو ان کو دیا گیا۔ لہذا پیش کردہ مثالوں کا یہاں پیش کرنا نہ دانائی ہے نہ انصاف۔

آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہرگز اس کے قائل نہ تھے کہ ورثا انبیاء، متروکہ انبیاء کے وارث نہیں ہوتے۔

ہمارے محترم مناظرین نے یہ دکھانے کی بھی کوشش کی ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا بھی یہی فرمان ہے کہ انبیاء کے متروکات میں ان کے ورثا کا حق نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنے علم اور اپنی شریعت کا وارث بناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں شیعہ کتب احادیث سے جو احادیث پیش کی ہیں ہم پہلے ان کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد دکھائیں گے کہ مناظرانہ رنگ میں کیسا دلفریب مغالطہ دیا جا رہا ہے؟ پہلے مناظرین کی پیش کردہ احادیث کو پڑھیئے۔

۱. قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ان العلما ورثۃ الانبیأ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم الخ

۱۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں تحقیق کہ انبیاً درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ (انبیاً) علم کا وارث بناتے

ہیں۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

وتفقه فی الدین فان الفقها ورثة الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرهما ولکنهم اورثواالعلم.

یعنی علی مرتضیٰ علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ علم دین حاصل کرو کیونکہ علماً انبیاء کے وارث ہیں تحقیق کہ انبیاء نے دینار و درہم کا ہرگز وارث نہیں بنایا لیکن انہوں نے محض اپنے علم کا وارث بنایا ہے۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

ان العلما ورثة الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درهما ولا دینار وانما آورثوا احادیث من احادیثم الخ

یعنی علماء انبیاء کے ورثہ دار ہیں اور یہ اس طرح کہ انبیاء نے ہرگز درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے اپنے ارشادات کا وارث بنایا ہے۔

مذکورہ احادیث سے ہمارے محترم مناظرین یہ نتیجہ اخذ کر کے دکھاتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام بھی انبیاء کے مال کے وارث نہیں قرار دیتے۔

اب ہم سے سنیئے۔ جن احادیث کو نفی وراثت کی دلیل بنا کر پیش کیا گیا ہے ان میں سے ایک بھی وراثت کی نفی نہیں کرتی بلکہ جس وراثت کو ہم ثابت کرتے چلے آرہے ہیں وہ ان احادیث سے باحسن وجوہ ثابت ہو رہی ہے۔

تینوں حدیثوں کو اطمینان سے پڑھیئے اور بتایئے کہ ان میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ انبیاء کی اولاد یا وارثان شرعی، انبیاء کے متروکہ کے وارث نہیں ہوتے؟

ان حدیثوں میں انبیاء کی اولاد یا اقرباء کا ذکر ہے؟ ہر گز نہیں! اولاد یا اقرباء انبیاء کا تو ان میں نام تک نہیں۔ احادیث میں تو یہ ذکر ہے کہ علماء انبیاء کے درہم و دینار کے نہیں بلکہ انبیاء کے علم کے وارث ہیں علماء کے لفظ کو کوئی اولاد پر کیسے منطبق کر سکتا ہے؟

کیا علماً کے معنی اولاد انبیاء کے ہیں؟

کیا اولاد انبیاء کے سوا امت میں علما نہیں ہوتے؟

علماً اور اولاد انبیاء یہ دونوں الفاظ الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عالم ہو مگر اولاد نبی سے نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اولاد نبی سے ہو مگر عالم نہ ہو۔ احادیث مذکورہ تو یہ بتا رہی ہیں کہ علماء انبیاء کے مال کے نہیں بلکہ ان کے علم کے وارث ہوتے ہیں یعنی نبی کی علمی وراثت عام ہوتی ہے جس کا دل چاہے آگے بڑھے اور لے لے لیکن مالی وراثت عام نہیں ہے۔ بلکہ وہ بقانون الہیٰ اس کے اقرباء ہی کو پہنچے گی۔

نبی کی حیثیت ایک استاد کی ہے اس کے مدرسہ سے اولاد اور غیر اولاد ہر ایک علم حاصل کر سکتا ہے۔ اولاد بھی علم حاصل کرتی ہے تو اولاد ہو کر نہیں بلکہ شاگرد ہو کر۔ لیکن اس کی وفات پر اس کا مال شاگردوں میں تقسیم نہ ہو گا بلکہ صرف اولاد و اقرباء کو ملے گا۔ شاگرد ہو کر نہیں بلکہ اولاد ہو کر۔ یہ بات تو دنیا جانتی ہے کہ بیٹا باپ سے علم حاصل کرتا ہے تو بیٹا بن کر نہیں بلکہ شاگرد بن کر اور وہی بیٹا جب اپنے باپ کا ورثہ پاتا ہے تو شاگرد بن کر نہیں بلکہ بیٹا ہو

کر۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و حکمت اور منصب و ہدایت کے تو وارث ہوئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالی وراثت اور تو کسی کو کیا خود علی علیہ السلام کو بھی نہیں پہنچتی۔ مالی وراثت کا حق صرف بیٹی کے لئے تھا تو دعویٰ بھی بیٹی ہی نے کیا۔ فدک کے بارہ میں علی علیہ السلام کا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ ان احادیث کو پیش کر کے پیش کرنے والوں نے ہمارا مدعا ثابت کر دیا۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کا محمد حنفیہ سے یہ فرمانا کہ بیٹا فقہ حاصل کرو کیوں کہ فقہاء انبیاء کے وارث ہیں، بخوبی ثابت کر رہا ہے کہ فقہا کے معنی اولاد انبیاء کے نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ عام ہے جس میں محمد حنفیہ بھی آسکتے ہیں حالانکہ وہ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ فقہا اور علماء یہ الفاظ عام ہیں جس میں اولاد نبی اور افراد اُمت سب آسکتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کا یہ فرمانا بالکل بجا اور درست ہے کہ علماء اور فقہا نبی کے درہم و دینار کے نہیں بلکہ نبی کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔ لہذا یہ بالکل صریحی امر ہے کہ نبی کی اولاد میں جو فقیہہ اور عالم ہوگا اس کو نبی کا ترکہ فقیہہ اور عالم ہونے کی بنا پر نہیں ملے گا بلکہ اولاد ہونے کی بناء پر ملے گا۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ بنا دیا۔

حسن اتفاق دیکھیے کہ مولانا عبدالستار صاحب نے اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ انبیاء کی میراث صرف علم کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ صادق آل محمد کا ایک اور ارشاد تحریر کیا ہے جو یہ ہے:

لاواللہ ما ورث رسول اللہ العباس ولا علیاً ولا ورثتہ الا فاطمۃ علیھا السلام۔

یعنی صادق آل محمد نے فرمایا کہ قسم بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ اپنا

وارث عباس کو بنایا نہ علی علیہ السلام کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارثہ صرف فاطمہ زہرا علیہا السلام ہوئیں۔ ناظرین! دیکھیں کہ مذکورہ حدیث سے کس کا مدعا ثابت ہوا۔ ہمارے محترم کا یا ہمارا؟ عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت ہرگز نہیں پہنچی اور صرف فاطمہ زہرا علیہا السلام کو پہنچی وہ وراثت علم تھی یا وراثت مال؟ دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ عباس (عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی علیہ السلام داماد رسول یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے بے بہرہ اور جاہل تھے۔ اور ان تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم نہیں پہنچا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے وارث نہ تھے؟ بالکل واضح ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت عباس و علی علیہ السلام کو نہیں پہنچی اور صرف فاطمہ زہرا علیہا السلام کو پہنچی اس سے مراد وراثت علم نہیں ہے بلکہ وراثت مال ہے۔

والحمد للہ وکفی والصلواۃ علی نبیہ المصطفیٰ وآلہ اولی الامروالنہی

ختم شد

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہؑ

پاکستان

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA
یا عباس
۷۸۶
۹۲_۱۱۰
یاصاحب الزماں ادرکنی
DVD Version
لبیک یا حُسینؑ
خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی
اسلامی کُتب (اردو) DVD
ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔
SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com
www.ziaraat.com
NOT FOR COMMERCIAL